بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ حاضر وناظر میں اپنی نوعیت کی لاجواب کتاب

اَلشَّاهِدُ

مرتبہ :

حضرت علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیم

تعارف

علمی حلقہ میں حضرت علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ الاقدس کی ذات عالی محتاج تعارف نہیں۔ موصوف نہ صرف یہ کہ مرکزی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے عظیم المرتبت مدرس اور قابل قدر مفتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک مقبول و مشہور خطیب اور صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ آپ کے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین کو ارباب علم و دانش نے ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور یہ تمنا کی ہے کہ دوبارہ بھی ان کے مضامین دیکھنے اور سننے میں آئیں۔ یہ کتاب ''الشاہد'' جیسے کہ خود بھی اپنے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہی ہے مسئلہ حاضر و ناظر میں لکھی گئی ہے جس میں عبدالرؤف جھنڈانگری کی کتاب ''تردید حاضر و ناظر'' کا مکمل و مفصل رد کر کے صحیح اور حق مسئلہ دلائل و براہین کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے جس کا بخوبی اندازہ پوری کتاب پڑھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ یہ زمانہ اگرچہ ناول اور افسانہ اور لچر شاعری کا زمانہ ہے مگر اس کے باوجود بھی موضوع کے اعتبار سے یہ خشک کتاب اپنی رنگین عبارتوں اور دلکش جملوں کی وجہ سے ہر ذوق کا انسان اس کو پڑھ کر ایک مخصوص قسم کی دلچسپی محسوس کرے گا اس طرح امید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقہ کی ہدایت و اصلاح کی باعث ہوگی۔ ہم مولانا موصوف کی کتاب مستطاب (جو ہر اعتبار سے قابل احترام ہے) نہایت فخر کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور آئندہ کے لیے بھی ان کی خدمت عالی میں پرخلوص درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی عظیم تصانیف اشاعت کے لیے عطا فرمائیں اور ہم اس کو علمی حلقہ میں بہترین معیاری

انداز میں پیش کر کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی دنیا سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ''مکتبہ لطیفیہ'' (براؤں شریف جس کا قیام ایک نہایت ہی پاک جذبہ کے ماتحت ہوا ہے) کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے اس طرح پر کہ وہ ہماری تمام مطبوعات کو منگوا کر بغور ان کا مطالعہ کرے اور ہمیں ان کے حسن و قبح اور صحت و فساد سے مطلع کرے تاکہ ہماری ترقی کی راہیں آسان سے آسان ترین ہوں جس سے ہم نہایت شگفتگی طبیعت اور یقین و اعتماد کے ساتھ اسلام و سنیت کی بیش از بیش خدمات انجام دے سکیں جو ہمارا حقیقی مطمع نظر و ماحصل زندگی ہے۔

آپ لوگوں کا مخلص خادم......ناظم

مکتبہ لطیفیہ ورکن دائرۃ المصنفین براؤں شریف

پوسٹ سکھوئی۔ ضلع بستی (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

نور وظلمت، حق وباطل، کفر واسلام کا معرکہ خدا جانے کب سے ہے اور کب تک رہے گا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

اس لیے اگر وہابیہ اور اہلسنت و جماعت میں منازعت ومخاصمت ہو تو بعید از قیاس نہیں، یہ اگرچہ صحیح ہے کہ اسلام جھگڑا فساد نہیں سکھاتا۔ لیکن جب کوئی خواہ مخواہ آمادۂ پرخاش ہو تو ہمارا خاموش رہنا ناقابل معافی جرم ہے۔ مقام غور ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی عبارت لکھے جس سے مترشح ہو کہ (معاذ اللہ) ''حضور اتنا غضبناک ہو جاتے تھے کہ خلاف واقع کہہ جاتے'' اور ہم چپکے بیٹھے رہیں۔ حضور کی ذات گرامی کا ذکر ہو اور وہ کہے کہ ''دوست وہی بہتر جس کی نظر عیب پر ہو۔'' اور ہم کچھ نہ بولیں۔ سرکار مدینہ کے پاک فضائل کا ذکر ہو اور وہ اسے کفر کہے۔ اور ہم کان میں تیل ڈال لیں۔ تو عقیدت کشانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارا یہ جرم ناقابل عفو ہوگا۔ یہی وہ شدید احساس ہے جس نے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے رسالہ خیر الانبیاء لکھوایا اور جس کے ماتحت ہم بھی متوکلاً علی اللہ ''فاضل رحمانی'' مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری کی کتاب تردید حاضر ناظر کا جواب لکھنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ اگرچہ خود مولوی عتیق الرحمٰن صاحب اس یاوہ گو کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں رد وقدح کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آج سامان طباعت کی اتنی فراوانی ہے کہ ہر شخص بلا تکلف معقول و نا معقول جو تحریر چاہتا ہے لکھ کر شائع کر دیتا

ہے۔ اور کوئی زبان پکڑنے والا نہیں۔ بنا بریں فاضل رحمانی اگر بے حیائی پر کمر باندھ لیں اور اپنی نامعقولیت سے دنیا کے گندے لٹریچر میں اضافہ کرتے رہیں تو ان کی زبان کون روکنے والا ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ کہیں عوام ایسی موٹی تازی کتاب کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیں کہ اس ڈھول میں پول نہیں ہے ہم نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ جس میں ''تردید حاضر وناظر'' کی تمام عیاریوں کی پردہ دری کی گئی ہو لکھنا مناسب سمجھا۔

اس کتاب میں ہمارا طریقہ بحث: چونکہ اختصاراً ہمارا مطمح نظر تھا اس لیے تردید ''حاضر ناظر'' کا تجزیہ ہم نے حسب ذیل طریقہ پر کیا ہے۔

۱۔ ''تردید حاضر وناظر'' کے وہ متفرق دلائل جن کو کسی اصول کے تحت لایا جا سکتا ہے ان کا یکجائی اور اجمالی جواب باب فضائل کے چند اہم اصول کے ضمن میں دے دیا گیا ہے، اور قصداً تکرار اور غیر مفید طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ وہ تحریریں جن کو ''خیر الانبیاء'' کے پہلے ٹکڑے کی رد میں لکھا ہے۔ ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا گیا ہے، اور ہر ضروری آیت وحدیث پر مفید بحث کی گئی۔ اس بحث کو ''حاضر ناظر اور فاضل رحمانی'' اور اس کے بعد عنوانوں میں دیکھا جائے۔

۳۔ وہ واقعات اور حوادث جن کو علم غیب کے معارضے کے طور پر پیش کیا گیا ہے ان سب میں تفصیل کو چھوڑ کر صرف ایک مضبوط جواب پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۴۔ وہ آیتیں جن سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ان کے مقابلہ میں وہ آیتیں لکھی گئی ہیں جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے، اور ان آیتوں میں باہم تطبیق دی گئی ہے۔

۵۔ ان کے علاوہ وہ متفرق باتیں جن کا تعلق مسئلہ حاضر وناظر سے کسی نہ کسی

طرح بھی ہو حتی الامکان ان سے بھی عہد برا ہونے کی کوشش کی گئی ہے، کہیں حاشیہ میں اور کہیں خود متن میں اس قسم کی مفید بحثوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔

اور یہ سب اس لیے کیا گیا ہے کہ حسب ذیل سوالوں پر روشنی پڑ جائے۔

حاضر و ناظر کے معنی کیا ہیں؟ اس کا ثبوت غیر خدا کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟ علم غیب کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اور اس کا ثبوت بھی غیر خدا کے لیے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اسی لیے ہم نے تمام دیگر فروعی مسائل کو مثلاً قیام، میلاد، عرس وغیرہ جن سے تردید حاضر و ناظر میں تعرض کیا گیا ہے قصداً چھوڑ دیا ہے کہ خواہ مخواہ بحث طویل نہ ہو جائے۔ اگر وقت نے مساعدت کی تو پھر کبھی۔

فاضل رحمانی کی ناشائستہ حرکتیں: فاضل رحمانی نے جہاں اور تمام مذبوحی حرکتیں کی ہیں وہاں مولوی عتیق الرحمٰن صاحب پر کیچڑ اچھالنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں، اور ان کے دامن فضل و کمال پر دھبا لگانے کی مکروہ کوشش کی ہے۔ چنانچہ متعدد خود ساختہ غلطیاں ان کی ذات کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور اپنے وفور علم کی بڑی ڈینگ ماری ہے، لیکن ان کی کتاب دیکھنے کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ۱؎ ''اکرہرا'' کی شکست کے بعد آپ ہر

۱؎ اکرہرا ضلع بستی مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا وطن مالوف ہے جہاں کسی تقریب میں مولوی عبد الرؤف سے مولانا کی بالمشافہ گفتگو اسی موضوع پر ہوئی اور مولوی عبدالرؤف صاحب بند ہو گئے پھر گھر جا کر یہ سلسلہ تحریر شروع کیا۔

ممکن طریقہ سے اپنی خفت دور کر رہے ہیں، لیکن دنیا آپ کو خوب جانتی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ورنہ جو شخص ''فلایظھر علیٰ غیبہ احدا'' پورے جملہ کو مستثنیٰ منہ بتائے وہ ہم پر نحوی غلطی کا الزام دھرے جو خود دائمہ اور وقتیہ کو سمجھ نہ سکے وہ ہمیں منطقی غلطی کا مرتکب بتائے۔ جو ہمارے معارضے کو بھی نہ سمجھ سکے وہ ہمارے ''معانی وکلام'' کی غلطی نکالے۔ جو ایک ہی صفحہ میں کئی کئی متعارض باتیں کہے وہ ہم کو تعارض کا مجرم بتائے۔ جو عبارتوں کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لے وہ ہم کو خائن کہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ۔

سورج میں لگے دھبا قدرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

آپ بڑی مسکینیت سے کہتے ہیں، ہم کو بڑی گالی دی گئی ہے، ہم اس کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اس وقت اتنے بھولے بن گئے ہیں کہ بے اختیار آپ کے ''نقشیں مرادآبادی'' چہرے پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

دل میں یہ آ رہا ہے کہ کہہ دوں یہ ان سے میں
ان نقشہائے ناز کے قربان جائیے

ہم کو معصوم ہونے کا دعوے نہیں ہے، کہیں کہیں ہمارا انداز بیان ضرور سخت ہو گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا وقت اب نہیں ہے کہ لوگ آپ کی شوخیوں کو دعا سمجھیں اور ہم کو یہ کہنا پڑے۔

تم مجھے ہاتھ اٹھا کر جو ادا سے کوسو
دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دعا دیتے ہیں

آج تو دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ آپ ہم سے زیادہ سخت کلام ہیں۔ اس لیے یہ جامہ تقدس تو رہنے دیجئے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

ولقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع

خود راز عملہائے نکو ہیدہ بری دار

اگر آپ کو اتنا ہی خیال تھا تو کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو معلوم نہیں۔

سنبھل کر میکدے میں پاؤں رکھنا مولوی صاحب

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

پھلجھڑی: مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے فاضل رحمانی کو یہ شکوہ ہے کہ وہ اردو بہت غلط لکھتے ہیں، بحمد اللہ فاضل رحمانی سے تو اچھی ہی اردو لکھ لیتے ہیں تاہم ہم کو اہل زبان ہونے کا دعوے نہیں۔ البتہ یہ جھنڈے نگر کے موتی رولنے والے شاہد طناز جو خاص دہلی اور لکھنؤ سے ڈھل کر چلے آرہے ہیں۔ ان کی گل افشانیاں ملاحظہ ہوں۔

''نماز جنازہ آپ کا کیوں ادا کیا گیا۔ سب چیز کشف ہوگیا۔ توجیہ آپ نے ہضم فرمالیا۔''

مذکر و مؤنث میں تمیز نہیں۔ اور کیوں نہ ہو اس میں تو آپ ہمیشہ سے ماہر ہیں (فیہ مافیہ) محاورہ ملاحظہ ہو۔

''عوام بھیڑیا کا چال۔ واحد و جمع ملاحظہ ہو، دو احتمال لکھا ہے۔ لفظ ''میں'' کا کیا برمحل استعمال ہے۔ اس سوال میں کسی طرح مفہوم نہیں۔ کتنا صحیح جملہ ہے؟ مدرسہ کا نظام چشم دیدہ دیکھ کر۔ ایک فارسی لفظ کی تعریب ملاحظہ ہو ''دوئما'' ایک اور پر لطف جملہ ہے۔ ایسی گندی جگہ شیاطین اور ارواح خبیثہ کی حاضری کے ہیں۔

مختصر یہ کہ جہالت و نادانی کے ہر میدان میں آپ سب سے آگے ملیں گے۔ لیکن دعوے کا یہ عالم ہے کہ ثریا سے نیچے نہیں اترتے ہیں۔ حد ہوگئی ہے خوش فہمی کی کہ اغلاط کتابت کو بھی ہمارے ہی سر تھوپتے ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے۔

آن کس کہ نداندو بداند کہ بداند

درجہل مرکب ابد الدہر بماند

اسی سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب فاضل رحمانی ایسے ہیں تو ان کی کتاب کیسی ہوگی۔

اپنی باتیں: یہ کتاب اب سے تقریباً سات سال قبل جب میں تلشی پور میں تھا لکھی گئی تھی۔ خود میں اس کے مصارف اشاعت برداشت نہیں کر سکتا تھا اور محرک نے تحریک تک ہی اپنا فریضہ محسوس کیا اس لیے میں بھی اس کی اشاعت کے خیال سے فارغ ہی ہو چکا تھا، لیکن میرے عزیز مولوی محمد حنیف بستوی نے اس کو پڑھا پسند کیا اور مکتبہ لطیفیہ کے ارباب بست وکشاد سے تحریک کی اس طرح یہ کتاب منصۂ شہود پر آرہی مجھے نظر ثانی کا کماحقہ موقع نہ ملا ورنہ لہجہ کی تلخی کو حتی الامکان کم کرتا۔ فقط

عبدالمنان اعظمی دارالعلوم اشرفیہ

مبارک پور، اعظم گڑھ

باب فضائل کے چند اہم اصول

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ "مسئلہ حاضر و ناظر"، علم غیب، یا جسد اطہر کے سایہ ہونے، نہ ہونے کی بحث یا اس قسم کے اور دیگر مسائل ان کا تعلق عقیدے سے بایں معنی ہرگز نہیں کہ جس طرح حضور کی رسالت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح ان کا بھی اقرار فرض ہے، بلکہ ان کا تعلق فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کے جو بنیادی اصول ہیں انھیں اجمالاً عرض کردیں، کہ مسئلہ حاضر و ناظر کی ساری بحث جو فاضل رحمانی کی کرتوت سے بے اصولی اور انتشار کی نذر ہوگئی ہے۔ ایک منظم شکل میں سامنے آجائے۔ اصول یہ ہیں۔

۱۔ جس طرح تمام عبادات و اعمال میں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا ماننا فرض ہے، اور اگر یہ ثبوت ضروری دینی ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ اس کے ماننے والے کا فر و مشرک ہونا تو بڑی بات ہے وہ پکا مسلمان ہے۔ اور اس کو مشرک یا گمراہ کہنے والا خود بد دین ہے، جیسے نفل نماز، نفل روزے۔ اسی طرح تمام فضائل متعلقہ نبوت میں بھی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جیسے "اسریٰ" اس کا منکر کافر (اور یہی عقیدہ بھی ہے) اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ جیسے مشک سے زیادہ خوشبودار پسینہ ہونا۔ اس کا ماننے والا پکا مسلمان اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا خود گمراہ۔

۲۔ قرآن عظیم ذی وجوہ کثیرہ ہے۔ اور ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے۔ تاوقتیکہ وہ وجوہ باہم متضاد نہ ہوں۔ اگر کسی وجہ سے کوئی استدلال کرے تو صرف یہ کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا کہ اس آیت میں دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اور اذا جاء الاحتمال بطل الا

ستدلال۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ جو باب فضائل میں مقبول ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہر وصف جمیل میں سارے عالم میں بے مثال ہیں۔ اس لیے ان کے فضائل کی جانچ کا معیار بھی عام انسانوں سے بلند ہو گا۔

۴۔ وہ معیار یہ ہے کہ آپ کی کسی فضیلت سے بحث کرتے وقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فضیلت عام عقول کے خلاف ہے۔ اس لیے غلط ہے۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ عقل کامل کے نزدیک ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا چاروں اصول گو بجائے خود بہت واضح اور مسلم ہیں جن کا انکار کوئی صاحب عقل سلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن مزید وضاحت کے لیے ہم ضروری تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

فضائل کی قطعیت اور ظنیت: فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو قسمیں جنھیں ہم نے نمبر اول کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ان کا ثبوت اسلام کی پوری تاریخ سے ہوتا ہے۔ خود واقعہ معراج ہی میں یہ تقسیم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسریٰ کہ برون آنحضرت است از مکہ تا مسجد اقصےٰ ثابت است بکتاب اللہ کہ منکر آں کافرست۔ واز آنجا بآسمان برون کہ معراج است از احادیث مشہورہ، کہ منکر آں مبتدع و فاسق ومخذول است وثبوت دیگر از جزئیات عجائب وغرائب احوال باخبار است کہ منکر آں جاہل ومحروم است۔ (مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۷۵)۔

اسراء کہ حضور کو مکہ سے بیت المقدس تک لے جانے کا نام ہے، قرآن سے

ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، اور وہاں سے آسمان پر جانا جس کو معراج کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت مشہور حدیثوں سے ہے اس کا منکر بدعتی فاسق ورسوا ہے۔ اور دیگر جزئیات اور عجیب وغریب حالات کا ثبوت ایسی خبروں سے ہے کہ ان کا منکر جاہل ومحروم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی واقعہ معراج میں جو حضور کے فضائل میں بڑے بلند مرتبے پر ہے۔ کچھ کا منکر کافر کیونکہ اس کا ثبوت نص قرآنی اور دلیل قطعی سے ہے۔ اور کچھ کا ثبوت چونکہ اتنا قطعی نہیں ہے، اس لیے اس کا منکر محروم اور جاہل وغیرہ ہے کافر نہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ اقرار معراج باب عقائد سے ہے اس لیے اس کا ثبوت دلیل ظنی یا اخبار احاد سے نہیں ہوسکتا۔ اور معراج کے دیگر جزئیات کو ماننا کفر ہے۔ اگر کوئی پیدا ہوا تو فاضل رحمانی جن کو عقائد و فضائل میں تمیز نہیں۔ اور اس جہالت پر آپ کو فخر بھی ہے گویا آپ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

کودا تیری مجلس میں کوئی دھم سے نہ ہو گا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہو گا

اسی طرح مسئلہ حاضر و ناظر بھی جو فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک فضیلت ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دلیل ظنی کافی ہے۔ دلیل قطعی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہے، اگر اعمال سے ہے تو فرض بن جاتی ہے، اور اقراریات سے ہے تو ایسا عقیدہ بن جاتا ہے جس کا انکار کفر ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے فرض مانو۔ پھر دلیل تلاش کرو۔ یا پہلے عقیدہ تسلیم کرلو پھر حجت ڈھونڈو۔ ہمارے ''فاضل رحمانی'' مسئلہ حاضر و ناظر کو باب عقائد سے مانتے اور دھڑا دھڑ دلیل قطعی کے طالب ہیں۔ جیسا کہ ان کی اس

حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت میں احتمال نکال کر کہتے ہیں کہ استدلال ختم ہوگیا۔ ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ ''مسئلہ حاضر و ناظر'' باب عقائد سے ہے ومن ادعی فعلیہ البیان اگر فاضل رحمانی کو دعویٰ ہے تو دلیل لائیں۔ تعجب ہے کہ جو علم سے اتنا کورا ہو کہ فضائل وعقائد کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھ سکے وہ اپنے دماغ کو منطق اسلامی کا مخزن بتائے، علمی مسائل پر قلم اٹھائے۔ افسوس

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

قرآن کی مختلف وجہیں اور ان سے استدلال: اس امر کی شہادت کہ قرآن عظیم کی ایک ایک آیت میں مختلف معانی ہیں اور ہر ایک سے استدلال جائز ہے۔ پوری تاریخ اسلام دیتی ہے۔ اور خود مخبر صادق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ سے بھی قرآن کے کثرت معانی کا ثبوت ہوتا ہے ابونعیم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

القرآن ذو وجوه كثيرة فاحملوه على احسن وجوهه۔

قرآن عظیم بہت وجہوں والا ہے۔ تو سب سے ٹھیک وجہ پر اسے حمل کرو۔

فریابی نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

لكل اية ظهر و بطن و لكل حرف حد و مطلع۔

ہر آیت کے ظاہری معنی ہیں اور باطنی اور ہر حرف کے لیے حد ومطلع ہیں۔

عن ابی الدرداء انه قال لا يفقه الرجل كل الفقه حتى يجعل للقران وجوها۔

حضرت ابو درداء فرماتے ہیں آدمی اس وقت تک فقیہ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کو قرآن کی کثیر وجوہ پر عبور حاصل نہ ہوجائے۔

وقال بعض العلماء لكل اية ستون الف فهم.

بعض عالموں کا قول ہے ہر آیت کے ساٹھ ہزار معانی ہیں۔

وقال علی رضی اللّٰہ عنہ لوشئت لا وقرت من القران اربعین بعیرا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو قرآن کی تفسیر سے چالیس اونٹوں کو لاددوں۔

القران ذو وجوه وهو حجة بكل وجهة مالم تتنافا.

قرآن کی کثیر وجہیں ہیں اور جب تک وہ باہم منافی نہ ہوں سب سے استدلال جائز ہے۔

یونہی ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة کی تین سو تفسیریں کی گئی ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آیات قرآنی میں وجوہ کثیرہ اور معانی وافرہ ہیں۔

جمیع العلم فی القران لکن   تقاصر عنه افهام الرجال

اور یہ امر کہ ہر وجہ محتج بہ ہے اس کی تصریح علامہ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب زرقانی میں کی، اور عملاً تو ساری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ علمائے امت کے باہمی اختلاف اور ایک آیت سے متعدد استدلال اس کی واضح نشانی ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیت ثلاثة قروء سے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ طہر مراد لیتے ہیں اور کروڑوں مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے عورت کی عدت طہر قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف حنفیہ حیض مراد لے کر عدت حیض قرار دیتے ہیں۔ اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر آیت کے یہ دونوں احتمال قابل استدلال نہ ہوتے، تو سرے سے حنفیہ اور شافعیہ کا یہ استدلال ہی باطل ہو جاتا۔

اور آج غیر مقلدین بھی کسی آیت اور حدیث سے کوئی استدلال قائم نہیں کر سکتے، کیونکہ ہر آیت وحدیث کے علماء نے مختلف معانی اور احتمالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا آیت سے ہی غیر مقلدین اپنا مسلک خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے مدعا کے خلاف احتمالات اس آیت میں موجود ہیں۔

رفع شک: یہیں سے فاضل رحمانی کی ان تمام مذبوحی حرکتوں کا رد بھی ہو گیا جو انھوں نے حاضر و ناظر کی بحث میں اس حیثیت سے کی ہیں کہ ہر دلیل کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی احتمال نکال دیا ہے۔ اور یہ لکھ دیا ہے کہ چونکہ اس آیت یا حدیث کے صرف وہی معنی نہیں ہیں جو مثبت نے تحریر کئے ہیں بلکہ دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اس لیے یہ دلیل ہم کو کچھ بھی مضر نہیں۔ مثلاً وہ شاهدا کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے ہوں جب بھی ہم کو مضر نہیں۔ کیونکہ شاہد کے اور بھی معنی آئے ہیں جیسے دن کو مشہود اور امتیوں کو شاہد وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس لیے حاضر و ناظر کے احتمال کے ساتھ ہی ان دیگر معانی کا بھی احتمال ہے۔ اور اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

لیکن جب یہ بات ثابت ہو چکی اگر چند احتمال قرآن مجید کی کسی آیت میں ہوں تو ہر ایک سے استدلال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں تعارض نہ ہو، پھر معنی حاضر ناظر کے بنا پر اہل سنت اگر حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں تو صرف دیگر احتمال کی وجہ سے اس کا انکار کیونکر ممکن ہے؟ جیسا کہ فاضل رحمانی نے جگہ جگہ اس پھوس کی ٹٹی سے آڑ لی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ لیکن ہم یہ کب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ماننا فرض ہے یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ جس کو اس کا جتنا حصہ ملتا ہے حضور سے اس کی محبت اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

دہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خود را
بخاصاں شاہ می بخشد مے نوشیدہ خود را

اسی طرح علم الانسان کی بھی مختلف تفسیریں نقل کر کے فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ یہ کوشش کی ہے کہ چونکہ علم کے کئی معنی ہیں اور انسان سے بھی مفسرین نے ایک سے زیادہ مراد لی ہے۔ اس لیے علم الانسان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی پر سند لانا درست نہیں۔ اس کا دوٹوک جواب تو یہی ہے کہ قرآن ہر احتمال کی بنا پر قابل احتجاج واستدلال ہے۔ اس لیے کسی احتمال کی بنا پر اگر کوئی شخص حضور کی وسعت علمی کا قائل ہو تو اس کو مشرک وکافر بنانے سے پہلے اس مفسر کو کافرومشرک قرار دیجئے جس نے یہ تفسیر کی ہے!

۱ فاضل رحمانی نے آیت ''وعلم الانسان مالم یعلم'' کی کئی تفسیریں لکھی ہیں کسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور بیان سے مراد ماکان و یکون ہے تو کسی میں انسان سے مراد حضرت آدم اور بیان سے مراد اسماء کل شی۔ اور کسی میں انسان سے مراد جنس انسان اور بیان سے مراد منطق فصیح، لیکن پہلی تفسیر کو کمزور ثابت کرنے کے لیے عجب عجب حرکتیں کی ہیں کہتے ہیں کہ چونکہ پہلی تفسیر کو مفسروں نے لفظ قیل سے بیان کیا ہے لہذا ضعیف۔ تمام احتمالات کے اخیر میں لکھا ہے لہذا ضعیف۔ اس کو بطریق احتمال بیان کیا ہے۔ مستند مفسروں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے، لہذا ضعیف۔ اور یہ تمام مذبوحی حرکتیں اس لیے کی گئی ہیں کہ پہلی تفسیر کو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے نقل کیا۔ لیکن خود ہی بری طرح بے ایمانی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیونکہ اگر لفظ قیل وجہ ضعف ہے تو وہ تفسیر جس کو آپ نے بڑے طمطراق سے صحیح کہہ کر پیش کیا ہے اس کو بھی صاحب خازن نے لفظ قیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے وہ بھی مرجوح ہوئی۔ لیکن شاید آپ نے خازن دیکھتے وقت بے ایمانی کی عینک لگالی تھی۔ اس لیے آپ کو نظر نہ آیا۔ اگر اخیر میں بیان کرنا وجہ ضعف ہے تو علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں حضرت آدم والے قول کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ جس کو آپ معتبر کہہ چکے ہیں۔ پھر کہیے آپ سچے؟ آپ کا قاعدہ سچا؟ یا امام رازی؟ اور اگر علماء تفسیر کا اس احتمال کو ذکر نہ کرنا وجہ ضعف ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں صرف حضرت آدم والا قول نقل کیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یونہی فاضل رحمانی نے آیت ''یوم یجمع اللہ الرسل'' کے تحت لکھا تھا کہ اگر حضور حاضر و ناظر ہیں اور اعمال امت جانتے ہیں۔ تو جب قیامت میں سب رسولوں کو جمع کر کے خدا پوچھے گا تو لا علم لنا (ہمیں کوئی علم نہیں) کیوں فرمائیں گے۔ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے رسالہ ''خیر الانبیاء'' میں مدارک کے حوالہ سے ایک تفسیر نقل کی۔

قالوا ذلک تادبا ای علمنا ساقط مع علمک فکانہ لا علم لنا.

انبیاء یہ جواب ادباً دیں گے کہ ہمارا علم تو تیرے علم کے مقابلہ میں ہیچ ہے گویا ہم کو کوئی علم نہیں۔

فاضل رحمانی نے یہاں بھی کئی تفسیریں نقل کی ہیں۔ لیکن جب یہ اصول طے ہو گیا کہ قرآن ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے۔ تو اس کا ہمارے مدعی پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ہمارا استدلال کثرت احتمال کی بنا پر ظنی ہوگا۔ یعنی اس کا انکار کفر نہیں۔

یہاں بھی فاضل رحمانی نے انتہائی بے وقوفی سے راجح مرجوح کی بحث پیدا کی ہے کہ مدارک میں اس کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ اول واخیر کی بحث ایک ایسی نکتہ آفرینی ہے۔ جو جھنڈے نگر کے مدرسہ میں تو کارآمد ہو سکتی ہے اور جگہ نہیں۔

فضیلت سید المرسلین: جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ایسی کوئی نظیر

(بقیہ) بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ بیضاوی انسان مطلق والی تفسیر ہے اور بقیہ کو چھوڑ دیا ہے امام بغوی۔ خازن، مدارک، تفسیر کبیر، اور حسینی، سواطع الہام میں تینوں اقوال منقول ہیں۔ آپ کے بیان کردہ اصول پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر حضرت آدم والے قول کے علاوہ سب ضعیف۔ بیضاوی کی تفسیر پر انسان مطلق قوی اور بقیہ دونوں ضعیف، اور بقیہ تفاسیر پر سب قوی، کیا گورکھ دھندا ہے بندہ پرور۔ سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست ۱۲ منہ

علاوہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی شخص دنیا میں آنے سے پہلے بھی احساس وادراک کی اس بلندی پر ہو جس کا دسواں حصہ بھی دوسروں کو دنیا میں آنے کے بعد نہ ملے۔ اور دنیا میں آنے کے بعد بھی بہت سے انسانی خواص اور لوازم سے پاک وصاف ہو۔ اور جب دنیا سے تشریف لے جائے جب بھی اس شان بے مثالی کے ساتھ کہ ماضی و مستقبل کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکے۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہوسلم کی ذات والاصفات میں یہ تمام محامد بیک وقت جمع ہیں۔

رسول عربی دنیا میں آنے سے پہلے: امام احمد، بیہقی، ابونعیم، ترمذی نے روایت کی اور حاکم نے صحیح کہا۔ لفظ ترمذی کے ہیں۔

قالوا یارسول اللہ ﷺ متیٰ و جبت لک النبوۃ قال و ادم بین الروح والجسد۔

صحابہ نے عرض کیا سرکار آپ کو منصب نبوت کب دیا گیا آپ نے فرمایا اس وقت جب کہ حضور آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ حضور اپنی نبوت اس وقت بیان کرتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا۔ آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کے اگر صرف یہ معنی ہوں کہ اس وقت علم الٰہی میں آپ کی نبوت طے تھی، کہ آئندہ چل کر آپ نبی ہوں گے تو اس میں حضور کی کون سی مدح نکلتی ہے اور اس تخصیص کے کیا معنی کہ آدم کا پتلا جب بن رہا تھا اس وقت بھی میں نبی تھا۔ علم الٰہی میں تو ہر ہر نبی کی نبوت ازل سے طے شدہ ہے۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہوں کہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا منصب جلیلہ اسی وقت سپرد کر دیا گیا تھا۔ اور آپ اسی وقت سے اس مرتبہ پر فائز تھے۔ البتہ مادی دنیا میں اس کا

ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

آپ کا وجود گرامی دنیا میں: **نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دار انس فجائت امہ بقارورۃ تجمع فیہ عرقہ فسألها النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقالت نجعلہ فی طیبنا یارسول اللہ وھو اطیب الطیب۔** (متفق علیہ)

ترجمہ: حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر سو گئے۔ حضرت انس کی ماں ایک شیشی لائیں اور اس میں پسینہ جمع کرنے لگیں۔ حضور نے پوچھا کیا کر رہی ہو۔ عرض کی ہم اسے اپنے عطر میں ملائیں گے اور یہ تو ہماری بہترین خوشبو ہے۔

اخرج حکیم الترمذی عن ذکو ان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لہ ظل لا فی الشمس ولا فی القمر۔

حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو چاندنی میں نظر آتا تھا نہ دھوپ میں۔

سیدنا عبداللہ بن مبارک، حافظ علامہ محدث ابن جوزی رحمہم اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

لم یکن لرسول اللہ ظل و کذا فی المدارک عن عثمان۔

حضور کے سایہ نہ تھا۔ ایسی ہی مدارک میں حضرت عثمان سے مروی ہے۔

پردہ فرمانے کے بعد: ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کی اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ سے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فاکثر و اعلی من الصلوٰۃ فیہ فان صلواتکم معروضۃ علی

قالوا یارسول اللہ کیف تعرض صلواتنا علیک و قدارمت قال یقولون بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارا بہترین دن جمعہ ہے۔اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کہ تمھارا درود سلام میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔لوگوں نے عرض کی حضور ایسا کیسے ہوسکتا ہے آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے حی وقیوم نے انبیاء کے جسم کو زمین پر حرام فرمادیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے۔

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق.

اللہ نے انبیاء کا جسم زمین پر حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

بزاز اور ابن عدی نے روایت کی اور بیہقی نے صحیح کہا۔

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون.

انبیاء کرام زندہ ہیں اپنی اپنی قبروں کے اندر نماز پڑھتے ہیں۔

پھر دوسری روایت ہے۔

ان الانبیاء لایترکون فی قبورهم بعد اربعین لیلة لکن یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور.

انبیاء اپنی قبروں میں چالیس دن کے بعد نہیں چھوڑے جاتے۔مگر یہ کہ اپنے رب کے حضور تاقیامت نماز پڑھیں۔

تنویر: مذکورہ بالا احادیث میں ابن ماجہ کی روایت فنبی اللہ حی یرزق

اور بیہقی کی روایت الانبیاء احیاء فی قبورهم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر عبارت النص ہے اور ابوداؤد کی روایت جس کے شواہد بکثرت موجود ہیں۔حیات نبوی پر التزاماً دلالت کرتی ہے۔کیونکہ حضور نے درود بھیجنے کو کہا۔اس پر صحابہ کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ حضور وفات کے بعد کیسے سلام قبول فرمائیں گے۔حالانکہ آپ کا جسد اطہر ریزہ ریزہ ہو گیا ہوگا اور روح خدا معلوم کہاں ہو گی۔اس پر ارشاد ہوا کہ تم عام لوگوں کی طرح ہماری موت نہ سمجھو۔روح تو خیر سب کی محفوظ رہتی ہے، ہمارا جسم بھی زمین کی دستبرد سے محفوظ ہے۔ہم کو پردہ فرمانے کے بعد ایسا ہی سمجھو جیسا اس حیات میں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے

چوتھی حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا کہ انبیاء اپنے مزارات مقدسہ میں چالیس دن کے بعد نہیں رہتے، اور اپنے رب کے حضور نماز پڑھتے ہیں۔قبر میں نہ رہنے کے یہ معنی سمجھنا کہ آپ مردہ ہیں۔معاذ اللہ وہی خیال کرے گا جو سڑی اور پاگل ہو۔اور جس کا دماغ اس حدتک چل گیا ہو کہ سیدھی بات سمجھ میں آ ہی نہ سکے، ورنہ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام کی موت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی ہے۔

ایںہاں فاضل رحمانی نے حتی الامکان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اور حیات انبیاء پر پردہ ڈال کر نصوص کے مقابلہ میں بیہقی کی وہ حدیث (جس پر خود بیہقی نے تنقید کی اور بر تقدیر صحت تاویل کی) پیش کی ہے۔اور لکھ دیا ہے اذا تعارضا تساقطا اور اس ناقد البصر والبصیرۃ کو خود اپنی مستند کتاب نور الانوار کا یہ قاعدہ نظر نہ پڑا کہ المعارضة تقابل الحجتین علی السواء لا مزیة لا حدهما تعارض دو دلیلوں کا ایسا مقابلہ ہے، جس میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ ہو، اور یہاں صاف جرح موجود ہے، فیه شئی من سوء الحفظ۔

تاہم یہ بات بھی کہ انبیاء اپنے مراقد میں جلوہ فرما نہ ہوں تصریحات اسلام کے بالکل

ان کا حافظہ کس قدر کمزور ہے، حیرت ہے کہ لا یترکون فی قبور کو احیاء فی قبورھم کے معارض قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ عدم ترک عدم حیات کو قطعاً مستلزم نہیں پھر لطف یہ ہے کہ حدیث لایترکون فی قبورھم خود ہمارے مخالف کے عقیدے پر صحیح نہیں (ملاحظہ ہو تردید حاضر ناظر ص ۴۴) اس کے خلاف ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں پوری راحت، ابدی مسرت بے انتہا سرور کے ساتھ سب سے بڑے درجہ پر سب سے زیادہ قرب خدا میں آرام فرما ہیں۔ ص ۲۷، پر ہے۔ اور مزار شریف میں آپ کا رونق افروز رہنا ہی عقلاً نقلاً درست ہے۔ باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے بڑی جی داری کے ساتھ اس کو احیاء فی قبورھم کے معارضے میں پیش کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان گم کردگان راہ کے پاس سوائے حضور کی عداوت کے مذہب کا کوئی واضح تصور نہیں۔ جہاں یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور کہیں بھی تشریف نہیں لے جا سکتے وہاں یہ عقیدہ بتا دیا کہ اپنی قبر ہی میں رہتے ہیں۔ اور جہاں حیات انبیاء کا انکار مقصود تھا وہاں ایک ضعیف حدیث کا مطلب یہ گڑھ لیا کہ زندہ رہنا تو بڑی بات ہے آپ قبر میں بھی نہیں رہتے اور حدیث کے نقل کرنے میں یہ خیانت برتی کہ پوری حدیث بھی نقل نہ کی بلکہ صرف ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ تک ہی نقل کیا۔

بات اک اور سینکڑوں اس کے جواب
ہم سے کچھ غیروں سے کچھ درباں سے کچھ

اس کے بعد علماء نے حیات شہداء سے جو استشہاد کیا ہے اس پر فرماتے ہیں کہ عالم برزخ کا معاملہ قیاسی نہیں کہ حضور کی حیات شہدا کی حیات پر قیاس کر کے ثابت کی جائے۔ حضور کے لیے تو تصریح کے ساتھ انک میت وارد ہوا ہے، اور شہدا کے لیے بل احیاء عند ربھم یرزقون یونہی آپ کے نائب کا مقرر کیا جانا، آپ کی قبر موجود ہونا۔ آپ کی موت پر دلیل ہے۔

خلاف ہے اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تنقید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اس اندھی اور مجنونانہ بڑ کا بہت ہی معقول جواب مولانا عتیق الرحمان صاحب دے چکے ہیں، کہ اگر یہ امور حضور کی موت پر دلیل ہیں تو کیا شہداء کی قبر نہیں بنائی گئی۔ غزوۂ موتہ میں حضور کے مقرر کردہ قائدوں کے بعد حضرت خالد ان کی جگہ مقرر کیے گئے۔ اور پھر کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں کہ حضور نے خود اپنی حیات پاک میں بارہا متعدد صحابہ کرام کو اپنا جانشین بنایا۔ کیا معاذ اللہ اتنی دیر کے لیے حضور مر گئے تھے۔ اگر یہ معارضہ معقول تھا تو صاف اقرار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن فاضل رحمانی اس کو بالکل ہضم کر گئے اور نہ منہ سے پھوٹتے ہیں۔ نہ سر سے کھیلتے ہیں۔

کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
کیا شفق نے کھلا دیا سیندور

عداوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد ہو گئی۔ جب حیات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تو اس شپرہ چشم کو انک میت سوجھتا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت کا قاعدہ کلیہ یاد آتا ہے۔ لیکن حیات شہداء کے وقت انھم میتون نہیں سوجھتا، یاد کیا ہوا قاعدہ کلیہ بھول جاتا ہے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جا سکے ورنہ ان آیتوں سے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح شہدا کو (خاک بدہن گستاخ)

رہ گئی آیت بل احیاء تو آپ کی اندھی عقل کی بنا پر ان آیتوں کے معارض اور اذا تعارضا تساقطا دیکھا۔ عداوت مصطفیٰ کا خمار تمہارا اسمعیل شہید بھی مردہ ہو گیا۔

وہابی گرچہ اخفامی کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کہ اس روایت میں جو محمد بن عبد الرحمٰن ہیں ان کا حافظہ کمزور ہے۔ اور بر تقدیر صحت حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لایترکون لا یصلون الاھذا المقدار یعنی صرف چالیس روز ہی ان کو اجازت ہوتی ہے کہ چاہیں تو نماز نہ پڑھیں اس کے بعد لذت وسرور کے لیے نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث احیاء فی قبورھم کے معارض نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دنیا کی طرح وہاں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

یونہی حیات شہداء حیات برزخی کے بلند انعامات سے ہے، تو کیا انبیاء ان انعامات سے محروم کر دیئے گئے جو امتیوں کو حاصل ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کی برزخی زندگی بھی امتیوں سے پست کی کہ انبیاء تو مردہ اور شہدا زندہ۔ حیرت ہے کہ فاضل رحمانی ہم کو ایسی بات سمجھاتے ہیں جو ایک بیوقوف نہیں کہہ سکتا۔

آپ کو حیات انبیاء کے مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی کیونکہ دین وایمان کے ساتھ آپ کی عقل کا بھی دیوالہ نکل گیا ہے۔ ورنہ آپ کو خود اقرار ہے کہ دلیل صرف چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس شرعی (تردید حاضر ناظر ص:۳۹) یعنی اجماع کو آپ دلیل شرعی مانتے ہیں، اور حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت است، یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی اند (اقرب السبل و فتوح الغیب ص۳۳) بندہ پرور اس صریح اجماع کے ہوتے بھی آپ کو اس مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی۔ کتنی پرلطف ہٹ دھرمی یہ آپ کی؟ آپ نے اس اجماع کا جواب دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن آپ کا یہ وعدہ وعدۂ فردا بن کر رہ گیا۔ آپ نے اس اجماع کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ہم کو بھی اعتبار نہ تھا۔

تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

خلاصہ: ان حدیثوں سے یہ امر بخوبی روشن ہوگیا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الٰہی میں وہ بلند مقام ہے جس کے اوج عزت تک صنف انسانی کا کوئی فرد نہ پہنچ سکا۔ وہ اسی بلند مقام پر اس وقت بھی نظر آتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ اور وہ منصب نبوت پر اس وقت بھی فائز نظر آتے ہیں۔ جب ساری انسانیت حیات و وجود کی انگڑائی لینے کے لیے آمادہ ہو رہی تھی۔

پھر جب وہ نور الٰہی لباس بشریت اوڑھ کر اس خاکدان عالم میں تشریف لایا تو اس خیال سے کہ کہیں کوتاہ اندیش ما ھذا الا بشر مثلنا، مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ کہہ کر اس کو اپنا بھائی بنا کر اس کے دامن عزت میں بٹہ لگانے کی مکروہ کوشش نہ کریں۔ قدرت نے کچھ ایسی خصوصیات بھی مرحمت فرمائیں کہ معمولی انسان بھی اس کے علوئے مرتبت کا فیصلہ کر سکے۔ اس طرح خدا کی دین سے وہ بے مثال تھا، بے مثال آیا، بے مثال رہا۔ اور جب اس دنیا سے تشریف لے گیا، جب بھی بے مثال تب، کہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ عالم برزخ میں انعامات الٰہی کے مزے لے رہا ہے۔

پھر وہ ذات گرامی جس کو قدرت نے اتنا نوازا کہ وہ ہر بات جو ہمارے لیے غیر ممکن ہو، اس کے لیے ممکن بن جائے، اس کے لیے ہم اگر کوئی ایسا دعوے کریں جو اصول شرعی کے خلاف نہ ہو۔ اور شایاں شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو کیا صرف اس وجہ سے کہ وہ ہماری کمزور عقل کے نزدیک مستبعد ہے اس کا انکار کر سکتے ہیں؟ اس کی کون سی بات تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا امی ہونے کے باوجود جب بولتا ہے تو ایسا بولتا ہے کہ سارا عالم اس کے آگے خاموش ہو جاتا ہے۔

امی و گویا بہ زبان فصیح   از الف آدم وسیم مسیح
امی و دقیقہ دان عالم   بے سایہ و سائبان عالم

اور نہ صرف خود بولتا ہے، بلکہ بے زبانوں کو متکلم، بے جانوں کو صاحب حیات، محکوموں کو فرمانروائے عالم اور صاحب رموز و اسرار بناتا چلا جاتا ہے اور پھر اس معجزانہ انداز میں کہ اہل عالم آج بھی متحیر و پریشان ہیں کہ کیوں ہوا۔ اور کیوں کر ہوا۔

اس لیے اس کی ذات گرامی کی طرف اگر کوئی منصب رفیع منسوب ہے تو صرف اس وجہ سے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری ناقص عقل میں مستبعد ہے، یا عام انسانوں کے لیے اس کا ثبوت نہیں ہے، ہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول کے معارض تو نہیں؟ اور اس سراپا اعجاز ذات کی خصوصیات سے بحث کرتے وقت یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنی بلند مقامی میں ہر انسان سے بلند ہے اس لیے اس کی جانچ کا پیمانہ عام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: یہیں سے ''فاضل رحمانی'' کے ان تمام مزخرفات کا جواب بھی ہوگیا، جو انھوں نے مسئلہ حاضر ناظر پر عقلی گرفت وغیرہ کے عنوان سے کئے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور تمام مرنے والوں کی قبر میں موجود ہیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ ایک سیکنڈ بھی روضہ اطہر میں آرام نہ فرمائیں۔ جس سے آپ کو تنگی میں چھوڑنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ کوئی ذمہ دار مسلسل دورے میں نہیں رہ سکتا۔ دوم یہ کہ حضور کی زندگی میں بھی لاتعداد مردے دفن کئے گئے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آپ زندہ درگور ہیں۔

فاضل رحمانی کی اس سادہ لوحی پر یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ فاضل ہیں تو ضرور لیکن فضیلت سے نہیں بلکہ فضلہ سے۔ ورنہ اتنی سی بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی

ہے۔ کہ بات کسی ڈپٹی کلکٹر کی نہیں اس ذات کی ہے جو سرتاپا معجزہ ہے۔ ورنہ اس نامعقول دلیل اور ناجائز خیر خواہی سے حضور کی ہر ایک فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس خبر کو بھی کہ آپ رات رات بھر عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے، اور شق ہوجایا کرتے تھے، یہی کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے، کہ حضور ضیق اور تنگی میں پڑیں اور جو کوئی اس حدیث کو پڑھ کر حضور کی فضیلت ثابت کرے۔ وہی شعر پڑھ کر اس کا جواب دے دے کہ۔

بلا سے ان کی ادا کوئی بد گماں ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

فاضل رحمانی ایجاد و تحقیق کی ایسی نئی راہیں اکثر نکالتے رہتے ہیں جو نہ تو ان کے کسی بڑے نے نکالی نہ چھوٹے نے، ان کی بات ہی اور ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

اور اگر اس ضیق اور تنگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شی کا بیک وقت چند جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ جب بھی مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بے خبری ہے، کیونکہ تمھاری عقل کب باور کرتی ہے کہ پسینہ عطر سے زیادہ خوشبودار ہو۔ لیکن یہ حقیقت بہت روشن ہے کہ لوگ آپ کے پسینہ سے عطر بساتے تھے، پھر جس طرح عقل کے باور نہ کرنے کے باوجود تم کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے، یہاں کیوں عقلی پچر لگاتے ہو۔ علاوہ ازیں ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام قبروں میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ اس وقت روضہ انور یا کسی اور جگہ نہ ہوں۔ بس یوں سمجھو کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے قادر و توانا

خدا نے مسافت زمان و مکان کو ہیچ کر دیا ہے، اور قدرت جب کسی کو اپنے حبیب کا دیدار کرانا چاہتی ہے تو دنیائے ہست و بود کے مادی حجابات اٹھا دیتی ہے، وہ شخص اپنے پاس ہی حضور کو موجود پاتا ہے۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

معنی حاضر و ناظر کا شرعی وقوع: یہ اصول طے ہو جانے کے بعد کہ فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بجائے عقلی دخل دینے کے یہ دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول بھی اسے جائز رکھتا ہے یا نہیں، یہ ضروری ہو گیا ہے کہ یہ دیکھا جائے مسئلہ حاضر ناظر کا بھی شرعی امکان ہے یا نہیں؟ (معنی کی تشریح آگے آ رہی ہے) تو نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت علیہ السلام ہر مرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا۔

قل يتوفكم ملك الموت الذى و كل بكم ا۔

تم کو ملک الموت وفات دیتے ہیں جو تم پر مقرر کئے گئے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ ملک الموت ہر ہر مردے کے پاس نہیں جاتے ہیں۔ یہ بھی ان کے پاگل دماغ کی اپج ہے۔ کیونکہ ان کا متدل قرآن کی آیت والنازعات غرقا ہے اس میں نازعات جمع ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ جان نکالنے والے کئی ایک ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ کہیں ملک الموت خود چلے جاتے ہوں گے۔ اور کہیں کسی مددگار کو بھیج دیتے ہوں گے اس طرح ان کا کام رات دن چلتا رہتا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس علم و یقین کی دولت نہ ہو وہ اسی طرح ظن و تخمین کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سلسلہ میں عطر تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں قبض ارواح سے متعلق تین آیتیں ہیں۔ يتوفكم ملك الموت، توفته رسلنا، الله يتوفى الانفس، جن میں باہم تطبیق یہ ہے کہ اللہ حکم دینے والا فاعل حقیقی ہے، ملک الموت مرنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاكان العبد المومن فى انقطاع من الدنيا و اقبال من الاخرة نزل عليه الملائكة من السماء بيض الوجوه كان وجوهم الشمس معهم كفن من اكفان الجنة حتى يجلسونه مد البصر ثم يجى ملك الموت عليه السلام حتى يجلس عند ر اسه فيقول ايتها النفس المطمئنة اخرجى و كذافى الكافر الا انه قال سود الوجوه معهم المسوم بذل بيض الوجوه و اكفان الجنة والنفس الخبيثة بدل الطيبة۔ مشکوۃ شریف ص۱۴۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب بندہ مومن اس دار فانی سے کوچ کرتا ہے اور دار آخرت کی طرف رخ کرنے کو ہوتا ہے۔ تو آسمان سے فرشتے نورانی صورت والے اپنے ساتھ جنت کا کفن لیے آتے ہیں اور حد نظر تک

اخرج ايها النفس (اے جان نکل) دیگر اعوان و مددگار روح کو ہاتھوں ہاتھ اس کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ یا رو مددگار سارے جسم سے روح کھینچ کر حلقوم کے پاس کر دیتے ہیں اور ملک الموت قبض کر لیتے ہیں۔ یہ مضمون مدارک التنزیل، شرح اسرار قبور، مشارق الانوار میں ہے، اور ایسا ہی مشکوۃ شریف کی اس طویل حدیث میں ہے جو براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس سے پتہ چلا کہ ہر ہر مردے کی قبض روح میں خدا، ملک الموت، اعوان، سب کو دخل ہے، کوئی آمر، کوئی مامور، کوئی مددگار، لیکن بے ایمانی اور جہالت کا برا ہو کہ فاضل رحمانی انھیں کا سہارا لے کر وہ سب کچھ بک جاتے ہیں۔ جو ایک مسلمان کو نہ کہنا چاہیے۔ فاضل رحمانی کے ترنگ کا کیا کہنا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۲ منہ

بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے بعد ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے نفس مطمئنہ اپنے قالب خاکی سے نکل۔

کافروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ صرف یہ الفاظ بدلے ہوئے تھے۔ سود الوجوه معهم المسوم. النفس الخبيثة. بيض الوجوه اكفان الجنة. نفس الطيبة کے بدلے۔

منکر ونکیر بھی ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع فى قبره و تولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه و كذا عن ابى هريرة۔ مشکوٰۃ شریف ص۲۴۔

حضرت انس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ مردے کو قبر میں رکھ کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کے پیروں کی چاپ سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے بٹھاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملک الموت اور منکر نکیر ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔ اور ساری دنیا میں بیک وقت کتنی روحیں قبض کی جاتی ہیں۔ اسی لیے ملک الموت اور منکر نکیر کا بیک وقت چند جگہ ہونا ثابت ہوا۔ اور جب شریعت میں غیر خدا کے لیے اس معنی کا ثبوت ہوا تو پھر حضور کے ساتھ اس کی نسبت کرنے میں کیا قباحت شرعی لازم آئے گی جس طرح اور بہت سے ناممکنات حضور کے لیے ممکن بنا دیئے گئے یہ بھی سہی۔ بشرطیکہ قرآن وحدیث کی کسی عبارت سے اس کا ثبوت ہوتا ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مخالف کے اس ہذیان کے جواب میں کہ حضور کو ''حاضر ناظر'' ماننا شرک ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس

کا ثبوت ملک الموت کے لیے ہے۔ منکر نکیر بیک وقت کتنی کتنی قبروں میں حاضر ہوتے ہیں، یا شیطان بھی ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یا براہ راست کوئی ایسی دلیل دی جاتی ہے۔ جس سے ہمارے مدعا سے کم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہم سارے ملک میں آپ کے حضور کے قائل اور دلیل سے صرف زمین کا حضور ثابت ہوتا ہے تو مخالفین جامے سے باہر ہو کر جواب دیتے ہیں۔ ''دعوے عام دلیل خاص'' اس لیے یہ استدلال پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

لیکن ان رٹو کے ٹٹوؤں کو کون بتائے کہ کوئی قاعدہ یاد کر لینا اور بات ہے، اور اس کا سلیقہ سے برتنا اور بات ہے دریں چہ شک تو ایک طوطی بھی یاد کر لیتی ہے، لیکن اسے اس سے کیا فائدہ؟ اسی طرح مخالفین نے بھی کہیں سے دعویٰ عام دلیل خاص کیا سن لیا ہے کہ ہلدی کی گانٹھ پالی ہے اور اب پنساری بنے گھوم رہے ہیں۔ ورنہ جہالت کا خمار نہ ہو تو یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ مسئلہ حاضر ناظر کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ فی نفسہ ایک چیز بیک وقت چند جگہ ہو سکتی ہے یا نہیں، دوسرے اگر یہ تعدد ممکن ہے تو اس کی مقدار اور حد کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ثبوت کتنا ہے، اس قسم کے تمام دلائل و نظائر سے مثبتین کو یہی ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ تعدد فی نفسہ جائز ہے، اور جب ایک چیز کا بیک وقت دو جگہ ہونا ممکن ہے۔ تو دو چار، دس بیس ہزار جگہ بھی ہو سکتا ہے، اس لیے اس کا ثبوت تو طلب کیا جا سکتا ہے کہ اس تعدد کی انتہا کیا ہے، لیکن اس میں بحث کی قطعاً گنجائش نہیں، کہ یہ عقلاً ممکن ہے یا نہیں جب کہ شریعت میں غیر خدا کے لیے اس کا وقوع ثابت ہے چہ جائے کہ اس کو شرک بتایا جائے۔ اس لیے حاضر ناظر ہونے کے ثبوت میں اگر کوئی حدیث پیش کی جائے۔ تو اس کو اپنے ظاہری معنی سے محض اس لیے نہیں پھیرا جا سکتا۔ کہ ہماری عقل میں نہیں آرہا ہے۔

پوری بحث ایک نظر میں: گزشتہ اوراق سے بحث کی پوری پوزیشن واضح ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو خدائے ذوالجلال نے ہمیشہ نوازا۔ اگر خداوند قدوس ان کو بیک وقت متعدد جگہ حاضر کردے، اور کائنات ان کی نگاہ حقیقت بین پر روشن فرما دے، تو نہ خالق اس سے عاجز، نہ اس کا محبوب اس منصب رفیع کا نااہل، پھر اس سے نہ تو خدا کی خدائی میں کچھ کمی لازمی آتی ہے، نہ ایسا مان لینے سے حقوق الٰہی میں ہی دست اندازی ہوتی ہے کہ شرک کی طرف رہنمائی کرے، کیونکہ بیک وقت چند جگہ حاضر ہونا اور بہت ساری جگہوں کا پیش نظر رکھنا، ملک الموت کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کو وہ رات دن بجالاتے ہیں، پھر رسول ﷺ کے لیے اس کا ثبوت کیونکر شرک ہوسکتا ہے۔

ہاں اس شرعی امکان کے بعد یہ ذمہ داری ضرور ہمارے سر ہے کہ ہم دلائل سے بھی یہ ثابت کردیں حضور ''حاضر ناظر'' ہیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ یہ حضور اپنے کیف وکم میں کیسا ہے، جس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مسئلہ عقائد میں سے ہرگز نہیں کہ اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہو، بلکہ باب فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس لیے اس کا ثبوت اخبار آحاد یا متعدد احتمال رکھنے والی آیتوں سے بھی ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆

معنی حاضر وناظر

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ان الفاظ میں معنی ''حاضر وناظر'' کو بیان کیا ہے۔

عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ (۱) قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمامی عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھتا ہے اور دور وقریب کی آواز سنتا ہے۔ (۲) یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتا ہے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ۔ یا اس جسم کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہے، یا کسی جگہ موجود ہے۔ (خیر الانبیاء ص ۸)

اس عبارت کے دو جز ہیں (۱) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور خالق دوعالم نے جس طرح بارہا آپ کے لیے عالم ہست وبود کے حدود وتعینات، مسافت زمان ومکان کو پارہ پارہ کردیا ہے، یونہی عالم مادیات اور ملاء اعلیٰ کے توبرتو حجابات اس نے جب جب چاہا اٹھاتا رہا۔ یہاں تک کہ نگہ عالم سے نہاں ہونے کے وقت پر انکشاف بھی کامل ہوگیا اور اب یہ عالم ہے۔

کالشمس فی وسط السماء و نورھا   یغشی البلاد مشارقا و مغاربا
والقمر من حیث التفت رأیتہ   یعطیک فی عینیک نور اثاقبا

آفتاب و ماہتاب کی طرح آپ ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور سارا عالم آپ کے پیش نظر ہے اور خدا جس کسی کو چاہتا ہے حجابات اٹھا کر اپنے حبیب کی طلعت زیبا دکھادیتا ہے۔

۲۔ یا آپ کبھی کبھی (جیسا کہ لفظ سیر کرنے سے ظاہر ہے) سارے عالم میں

بیک وقت کہیں قوت روحانی کے ساتھ، کہیں جسم مثالی کے ساتھ، کہیں جسم اطہر کے ساتھ موجود ہو جاتے ہیں، اور بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں، جیسا کہ یہ رفتار خواہ جسم مثالی کے ساتھ، خواہ صرف روحانی، یا اس جسم کے ساتھ جو قبر انور میں موجود ہے کہ قضیہ مانعتہ الخلو سے ظاہر ہے۔

حاضر و ناظر اور علمائے سلف: اور یہ خیال کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے کے علمائے اسلام نے اس کی تشریح وتصریح کر دی ہے، جیسا کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنے رسالہ میں شیخ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ودیگر علمائے کے اقوال سے ثابت کیا تھا، کہ کسی حیثیت سے بھی وہ حضرات اس کو بیان فرماتے ہیں اور اس پر کوئی رد نہیں کرتے بلکہ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے تو خاص اس مبحث میں ایک کتاب ''تنویر الحلک'' تصنیف فرمائی اور تصریح کی۔

وقد تحصل من هذا النقول والاحاديث ان النبی صلی اللہ علیه وسلم حی بروحه و جسده وانه يتصرف حيث شاء فی اقطار الارض و فی الملكوت وهو بهيئته كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئی و انه يغيب عن الابصار كما غيبت الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد اللّٰه دفع الحجاب عمن اراد كرامة برويته و تواترت به الاخبار. (ملخصا)

ان منقولات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں، اور آسمان و زمین میں جہاں چاہیں تصرف کرتے

ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی حالت پر ہیں جیسا وفات سے پہلے تھے۔ اور آپ نگاہوں سے ایسا پوشیدہ ہو گئے ہیں جس طرح ملائکہ، حالانکہ وہ بھی تو اپنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ پس اللہ جس بندے کو حضور کی رویت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے، حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور خبریں اس بارے میں تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔

اور شیخ امام علامہ نوالدین حلبی اپنے رسالہ ''تعریف اہل الاسلام بان محمد ألا یخلو منہ زمان ولا مکان'' میں فرماتے ہیں۔

والذی اراه ان جسده الشريفة لا يخلومنه زمان ولامكان ولا محل ولا امكان و لا عرش و لا لوح ولا كرسی ولا قلم و لا بر ولا بحر ولاسهل ولا وعرولا برزخ ولا قبر كما اشرنا اليه و ايضاً انه امتلاء الكون الاعلیٰ به كما امتلأ الكون الاسفل و كامتلاء قبره به فجسده مقيما فی قبره طائفا حول البيت وقائما بين يدی و به لاداء خدمته (جواہر البحار جلد اول ص ۴۸۳)

میرا (ذاتی) خیال تو یہ ہے کہ حضور کے جسد اطہر سے نہ تو زمان خالی ہے نہ مکان، نہ محل نہ امکان، نہ عرش نہ لوح، نہ کرسی نہ قلم، نہ بحر نہ بر، نہ نرم زمین نہ سخت، نہ برزخ نہ قبر، اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں، نیز آپ نے کائنات کو بھر دیا ہے، اعلیٰ کو بھی، ادنیٰ کو بھی، اور قبر کو بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ قبر انور میں بھی رونق افروز ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور ادائے خدمت کے لیے مصروف ہیں۔

جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا مطلب صرف یہ تھا کہ علمائے اسلام میں کوئی حضور کی موجودگی مساجد میں، کوئی اہل اسلام کے گھروں میں، کوئی ذوات مصلین میں، کوئی ساری کائنات میں تصریح کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔ جس کا مطلب صاف یہی ہوا کہ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں۔ اور اس کے ماننے والے صرف ہم ہی نہیں، جیسا کہ آج کل غیر مقلدین اڑاتے رہتے ہیں۔ نیز اپنے مخالف سے یہ کہتا تھا کہ جان برادر اپنی کفری اور شرکی مشین کا رخ ذرا بزرگان دین کی طرف بھی کر دو تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام کو کافر و مشرک بنانے والے کون ہیں، اور آپ کا پیش کردہ شعر خود آپ کی ہی ترجمانی کرنے لگے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ورنہ اپنے نشانہ کو پھر سے درست کیجئے اور ہم کو کہنے دیجئے۔

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

مگر ہمارے فاضل رحمانی یہاں پہنچ کر کچھ ایسا جامے سے باہر ہو گئے ہیں کہ ساری امت مسلمہ کو تو ام ڈالا۔ کہ ہم پر نہ تو کسی اہل حدیث کا قول حجت ہے۔ نہ آپ کا اور آپ کے بڑوں کا (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قاضی عیاض شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جلال الدین سیوطی اور انھیں جیسے سینکڑوں بزرگ جو دین کا ستون ہیں فاضل رحمانی کے بڑے نہیں صرف ہمارے بڑے ہیں، ہم بھی تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب بزرگوں کے دین کے خلاف ہے، اچھا ہوا

کہ فاضل رحمانی نے خود اقرار کر لیا۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری) آپ شوق سے ان اقوال کو سند مت مانئے مگر اتنا تو تسلیم ہی کریں گے کہ آپ کی مشق ستم کی زد میں نہ صرف ہم بلکہ وہ مقدس نفوس بھی ہیں۔ جن کا نام لے کر بسا اوقات آپ بھی حدیث پڑھتے ہیں اور شاعر کے الفاظ میں۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ لاز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق راو باز کشی

کا عالم ہے

اقوال کی بحث:

''فاضل رحمانی'' نے ہر ہر قول کے متعلق خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہنا فضیلت تصور کیا ہے، اور کچھ نہیں تو صرف یہی کہ دعوے عام اور دلیل خاص، اور کہیں یہ کہ یہ صاحب حاطب اللیل ہیں، اس لیے ان کی بات نامعقول، کہیں صرف اتنی بات سے کام چلایا ہے کہ ہم اس کو نہیں مانتے اور اخیر میں بڑے طمطراق سے چند تردیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ چونکہ ہم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کے پیش کردہ اقوال کے ساتھ فاضل رحمانی کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کر کے کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ہم سب ثابت کر دیں جب بھی فاضل رحمانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کوئی حدیث لاؤ، اس لیے صرف تردیدی اقوال سے کچھ تعرض کرتے ہیں۔

فاضل رحمانی نے پوری کتاب میں سات عبارتیں تحریر کی ہیں جن میں کسی میں نکاح کے وقت رسول اور فرشتہ کے گواہ بنانے کو کفر کہا ہے اور کسی میں عالم غیب اور حاضر ناظر سمجھنے کو شرک بتایا ہے ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر خدا کے

لیے حاضر و ناظر کا قول یا کفر ہے یا شرک لیکن برا ہو ہٹ دھرمی کا جس نے فاضل رحمانی کو تلبیس و مکاری کا فنکار بنا دیا سب سے پہلی تلبیس تو فاضل رحمانی نے یہ کی ہے کہ حوالہ میں اتنا اہمال رکھا ہے کہ حتی الامکان مخالف صحیح عبارت کا مقابلہ اصل کتاب سے نہ کر سکے تاکہ یہ فریب مستمر جاری رہے۔

فتاویٰ بزازیہ ہمارے پاس تین جلدوں میں موجود ہے، لیکن اتنی طویل کتاب کے لیے حوالہ میں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ یونہی ملا حسین خباز اور ان کی کتاب مفتاح القلوب دونوں غیر معروف ہیں اسی طرح توشیح اور تحفہ وغیرہ کو بھی مہمل چھوڑ دیا ہے، اور بڑی جی داری سے ان عبارتوں کو ان مشاہیر علمائے اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جس کا نام لے دینا ہی صداقت و دیانت کی ضمانت ہے، بہر حال اولاً آپ نے اقوال اور ان کے حوالہ میں انتہائی چالاکی سے کام لیا ہے، اور اگر تمام عبارتوں اور حوالوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کو مضر نہیں، کیونکہ ایسے اقوال و فتاویٰ کی تشریحات اور ان کا صحیح محمل علمائے احناف کثرہم اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جو فتاویٰ بزازیہ اور قاضی خاں سب پر جاری ہے، یہ آپ کی اندھی نگاہوں کا قصور ہے کہ آپ ہمارے مذہب سے بے خبر ہو کر ہمارے ہی ہتھیاروں سے ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس بے سروسامانی کو ہی اپنا ساز و سامان سمجھتے ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

علامہ ابن عابدین المعروف بہ شامی سل الحسامی الہندی صفحہ ۳۱۱ میں فرماتے ہیں۔

ذکر فی جامع الفصولین مسئلة فی الفارسیة حاصلها لو تزوجها

بلاشهود وقال الله و ملائكة اورسول يشهد ان انه يكفر لانه اعتقد ان الرسول والملک يعلم الغيب ثم اشكل ذلک بما اخبره النبي صلى الله عليه وسلم من الغيبات وكذاما اخبربه عمرو جماعة من السلف ثم اجاب بانه يمكن توفيق بان المنفى هو العلم بالا سقلال لا العلم بالا علام۔

ترجمہ: جامع الفصولین میں ایک مسئلہ فارسی میں ذکر ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا اور رسول یا فرشتہ گواہ ہیں تو کفر ہو گیا، کیونکہ اس نے رسول اور فرشتوں کے بارے میں اعتقاد کیا وہ "الغیب" جانتے ہیں، لیکن اس پر یہ مشکل ہے کہ حضور نے غیب کی خبر دی اور حضرت عمر اور سلف کی ایک جماعت نے بھی، پھر خود ہی اس اشکال کا جواب دیتے ہیں دونوں میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے جن آیتوں میں علم کی نفی ہے اس کا مطلب بالاستقلال علم ہے اور جس کی خبر انبیاء نے دی، وہ باعلام الٰہی تھا۔

اس کے صفحہ ۳۱۲ میں فرماتے ہیں۔

وسئل فی الفتاوی! الحديثية عمن قال ان المومن يعلم الغيب هل يكفرو لايتبن اويفصل لجواز العلم بجزيات الغيب، فاجاب بقوله لا يطلق تكفيره لاحتمال كلامه و من تكلم بما يحتمل كفر وغيره و جب استفصاله كما فى الروضة وغيرها۔

فتاوی حدیثیہ میں ہے جس نے کہا کہ مومن غیب جانتا ہے آیا کافر ہو گیا یا اس سے سوال کیا جائے گا کہ تیری مراد اس سے کیا ہے کیونکہ بعض غیوب کا علم تو ممکن ہے جواب یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کے کلام میں احتمال ہے، اور جس نے ایسا کلام کیا جس میں کفر و غیر کفر دونوں کا احتمال ہو تو تفصیل ہی کی

جائے گی۔

پھر چودہ سطروں کے بعد لکھتے ہیں

ومتی استفصل فقال اردت بقولی المؤمن یعلم الغیب ان بعض اولیاء اللّٰہ قد یعلمہ اللہ ببعض المغیبات قبل ذلک لانہ جائز عقلاً و واقع نقلاً اذھو من جملۃ الکرامات الخارجۃ عن الحصر علیٰ ممر الاعصار فبعضھم یعلمہ بخطاب و بعضھم یعلمہ بکشف حجاب و بعضھم یکشف لہ عن اللوح المحفوظ حتی یراہ یکفی بذالک ما اخبربہ القرآن عن الخضر۔

اور تفصیل طلب کرنے پر اس نے کہا کہ میرے اس قول ''مومن غیب جانتا ہے'' سے میرا مطلب یہ تھا کہ بعض اولیاء اللہ کو خدا نے بعض غیوب کی خبر دی ہے تو یہ مان لیا جائے گا کیونکہ یہ عقلاً بھی جائز ہے، اور نقلاً واقع ہے، کیونکہ یہ تو ان بے شمار کرامتوں میں سے ہے جس کا احصاء ممکن ہی نہیں، بعض کو خدا مخاطب کر کے بتا دیتا ہے، بعض کو کشف حجاب کر کے اور بعض کے لیے لوح محفوظ کا پردہ اٹھا دیتا ہے، اور لوح محفوظ کو دیکھ لیتا ہے اور اس میں وہی کافی ہے جس کی خبر قرآن نے حضرت خضر علیہ السلام کو دی۔

پہلی عبارت سے پتہ چلا کہ رسول اور فرشتوں کی گواہی میں دو احتمال ہیں۔ رسول و ملک بذات خود جانتے ہیں، یا باعلام الٰہی، اور کفر کا فتویٰ اسی وقت صحیح ہو گا، جب علم بذات خود کا عقیدہ رکھا جائے۔ جس سے معلوم ہو کہ وہ تمام اقوال اور فتاویٰ جہاں ملک اور رسول کی گواہی یا اعتقاد علم غیب پر کفر کا قول کیا گیا ہے (خواہ فتاویٰ قاضی خاں، یا بزازیہ، یا مالا بدمنہ ہو یا کسی دوسری جگہ ہو) وہاں یہ دو احتمال نکل سکتے۔ اور سل الحسام کی دوسری عبارت یہ بتاتی ہے، جس عبارت میں

احتمال ہو وہاں مطلقاً کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، بلکہ تفصیل طلب کی جائے گی اور پوچھا جائے گا کہ وہی کفری معنی مراد ہیں یا نہیں، اگر کفری معنی سے انکار کرے تو تیسری عبارت کی رو سے اسکو ہرگز ہرگز کافر نہیں کہا جائے گا، وہ ساتوں عبارتیں جو فاضل رحمانی نے نقل کی ہیں ان سب میں یہ دو احتمال نکل سکتے ہیں، کہ بعطائے الٰہی یا بذات خود۔ اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق پہلی شق پر کفر کا فتویٰ صحیح نہیں، اور دوسری شق پر درست اور صحیح لیکن یہ ہم کو قطعاً مضر نہیں، کیونکہ ہم بعطائے الٰہی کے قائل ہیں۔ اور اگر ان عبارتوں کا مطلب مطلقاً فتویٰ کفر ہے جیسا فاضل رحمانی کا خیال ہے تو یہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ نہیں، بلکہ ضعیف قول ہے۔ جیسا کہ معدن الحقائق، خزانۃ الروایۃ، وغیرہ اکثر کتب فقہ میں آیا۔

والصحیح انہ لا یکفر، لان الانبیاء علیھم السلام یعلمون الغیب و یعرض علیھم الاشیاء فلایکون کفراً۔

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں لہذا کفر نہیں۔

آپ ہماری کتابوں سے ہم کو الزام نہیں دے سکتے، کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ مسائل کی کتابوں میں راجح مرجوح، مفتی بہ اور غیر مفتی بہ ہر قسم کے اقوال ہوتے ہیں، اور جب تک صحت کے ساتھ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ قول مفتی بہ ہے، اس کے ساتھ فتویٰ دینا ضرور جہالت ہے، جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح ہے، اور آپ اور آپ کے مولوی عبد الرزاق ضرور جاہل ہوئے رہے علمائے احناف تو اللہ کے فضل سے علم باعلام، اور علم بالاستقلال کے فرق کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کو یہ فتویٰ قطعاً مضر نہیں، اور اس سلسلے میں آپ کی ساری لاف وگزاف بے معنی۔

باخرابات نشیناں زکرامات ملاف
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

حاضر و ناظر اور فاضل رحمانی

گزشتہ اوراق میں مسئلہ حاضر ناظر کے متعلق ہمارے خیالات کافی وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں ہے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ ماننا ہی اپنا بنیادی عقیدہ مانتے ہیں، اور عقیدہ خواہ ایجابی ہو یا سلبی ہر ایک کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جس طرح ہمارے ذمہ حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہے، اگر چہ عقیدہ قطعی نہ ہونے کے سبب دلیل ظنی ہی سے کام چل جائے گا۔ اسی طرح ہمارے مقابل کے لیے بھی جدید دلیل کی ضرورت ہے، صرف ہمارے دلائل کی تردید کافی نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک باب عقائد سے ہے غالباً ہمارے مخالف اس نکتہ سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے بھی حاضر و ناظر نہ ہونے پر دلیل پیش کی ہے، لیکن پوری بحث جو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب اور فاضل رحمانی میں چل رہی ہے، اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف ایک دلیل ایسی ملے گی۔ جس کو فاضل رحمانی نے حاضر و ناظر نہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، باقی سارا طومار ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ہے، حالانکہ بفرض محال اگر ہم یہ ثابت نہ بھی کر سکیں جب بھی جب تک مخالف حاضر و ناظر نہ ہونا ثابت نہ کر دے، اس کو کچھ بھی مفید نہیں۔

اب ہم فاضل رحمانی کی اس اکلوتی دلیل پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے دلیل قطعی کے طالب خود کتنی لچر دلیل پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے ہیں، فرماتے ہیں

اللہ فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید، اور ھو اللہ فی**

السموات والارض جس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ ارشاد ہے **لیس کمثلہ شئی**، اس کے مثل کوئی شئے نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اللہ کے ہر جگہ موجود ہونے میں بھی کوئی اس کے مثل نہ ہو۔ (انتہی ملخصا)

اس پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک معارضہ فرمایا۔

اگر قرآن کی آیتوں کا یونہی مذاق کیا جا سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، **انہ ھو السمیع البصیر**، اللہ ہی سمیع وبصیر ہے، اب اس کے ساتھ **لیس کمثلہ شئی** والی آیت ملا لو، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفت سمع و بصر کا بھی کسی غیر خدا پر اطلاق نہ ہو، اور جو اطلاق کرے وہ مشرک، حالانکہ قرآن میں انسان کے لیے سمیع وبصیر کا لفظ استعمال ہوا ہے **فجعلناہ سمیعا بصیرا**۔ ہم نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا، تو کیا معاذ اللہ قرآن خود مشرک۔ (ملخصا)

جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہاں صرف لفظی اشتراک سے شرک ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اور خدا کے سمیع وبصیر ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح خدا کے حاضر ناظر ہونے میں اور رسول کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے بھی بون بعید ہے۔ لہذا شرک ثابت نہ ہوگا، لیکن فاضل رحمانی، حضرت مولانا کی اس چوٹ سے ایسا بوکھلا گئے ہیں، ساری نحو، ساری منطق اور علم کلام انڈیل دیا ہے، جب کہیں گالی وغیرہ دے کر ٹھنڈے ہوئے ہیں، اور کہا وہی جو حضرت مولانا کہلانا چاہتے تھے۔ اس سادہ لوح کو اس چرکے کا احساس نہ ہوا، جس کا منشا صرف یہ تھا۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے　　جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ہم نے سنا کہ فاضل رحمانی کی اس طولانی تقریر کے جواب میں حضرت مولانا ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

لائے اس بت کو التجا کر کے　　　کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

چنانچہ اس معارضہ کے جواب میں ایک طویل تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اللہ ہمیشہ سمیع و بصیر ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اور انسان ایک محدود مدت تک۔

(۲) انسان خدا کے بنائے سے سمیع و بصیر ہے، اور خدا خود بخود۔

(۳) ہمارے سمع و بصر کی کیفیت معلوم ہے، اور خدا کی مجہول ان تین تین فرقوں کے باوجود کون بے وقوف ہوگا جو خدا اور بندے کو سمع و بصر میں شریک مانے گا۔

یہاں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو حضور سے عداوت ہے، ورنہ یہ کیا وجہ ہے کہ جب خود اپنی سماعت و بصارت معرض خطر میں آتی ہے تو طرح طرح کی تاویلیں سوجھتی ہیں اور بے شمار فرق نظر آتے ہیں لیکن حضور کی کسی صفت کے بارے میں بغیر کسی تاویل کے شرک و کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی باتیں کہی جاسکتی ہیں کہ حضور کا حاضر و ناظر ہونا خدا کی دین سے ہے اور خدا کا خود اپنا، حضور کا حاضر ناظر ہونا ایک خاص مدت سے ہے، اور خدا کے لیے کوئی حد نہیں۔ ورق الٹ کر حضور کے لیے حاضر و ناظر کے معنی دیکھ لیجئے۔ کیا جسم مثالی، یا روح، یا جسم حقیقی کے ساتھ سیر کرنا خدا کی صفت خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ان تیرہ بختوں سے یہ سب کچھ کرا رہی ہے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیسیٰ است
گل است سعدی و در چشم دشمنان خارست

مسئلہ حاضر و ناظر اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب

رسالہ ''خیر الانبیا'' میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے ثبوت میں کئی آیتیں اور متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا منشاء صرف یہ تھا کہ ان تمام نصوص کے پیش کر دینے سے حضور کی وسعت علم و نظر کا ایک واضح نقشہ سامنے آجائے اور آپ کی وسعت علمی بطور تواتر معنوی کے ثابت ہو جائے، ہر ہر آیت یا حدیث الگ الگ مستقل دلیل نہ تھی، کہ اس اعتراض کی گنجائش نکل سکے، کہ فلاں دلیل دعویٰ سے خاص ہے، کیونکہ وہ کوئی الگ اور مستقل دلیل ہی نہیں تاہم اس امر کا خاص لحاظ رکھ کر بعض ایسی آیتوں اور حدیثوں کو بھی بیان کر دیا گیا تھا، جو تنہا بھی ثبوت مدعا کے لیے کافی ہوں، لیکن ہمارے فاضل رحمانی کو عقل سے اتنا بیر ہے کہ صرف اپنی سہولت و آسانی نیز جاہل عوام پر اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھانے کے لیے ہر ہر آیت و حدیث کو الگ الگ دلیل فرض کرلیا ہے۔ حد یہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محض وضاحت مسئلہ کے لیے بیان کیا گیا تھا۔ اس کو بھی ایک الگ دلیل بنا کر خواہ مخواہ زحمت تردید گوارا فرمائی، اور کاغذ سیاہ کئے ہیں اس پر ہم اس سے زیادہ کیا کہیں۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

لیکن ہم کو چونکہ فاضل رحمانی کی ہر طرح خاطر کرنی منظور ہے، اس لیے اس رسالے میں انھیں کے اصول کو مدنظر رکھ کر خیر الانبیاء کے صرف انھیں نصوص کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے جو بہت کچھ دعویٰ سے مطابق ہیں، اور جس کا اعتراف زبان حال سے ہمارے سادہ لوح مخالف نے بھی کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں

کہ بقیہ نصوص اس بات سے عاری ہیں، بلکہ یہ تو صرف ہمارے بھولے بھالے نیز آفت کے پرکالے مخالف کی جاہلانہ شوخی ہے کہ وہ اپنی جہالت ولاعلمی کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے، عجب بات ہے،

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں
وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

شاہداً کی بحث: اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ قرآن عظیم نے آپ کی ذات گرامی کو تین جگہ شہید یا شاہد کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔

(۱) **كذالک جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا** ۔ (سورہ بقرہ پ۲)

ایسے ہی اے امت محمد تم کو امت وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دو، اور تم پہ رسول شاہد ہوں۔

(۲) **فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنابک علیٰ هؤلاء شهيدا** ۔ سورہ نساء پ۵۔

پس کیسے ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت سے گواہ لائیں گے اور آپ ان سب پر شہید ہوں گے۔

(۳) **يا يها النبى انا ارسلناک شاهد او مبشر او نذيرا** ۔ (سورہ احزاب پ۲۲)

اے نبی ہم نے آپ کو شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

لن آیتوں سے وجہ استدلال یہ ہے کہ (۱) شاہد اور شہید کے وہ معنی جو یہاں

مراد لیے جا سکتے ہیں دو ہیں۔ حاضر و ناظر یا گواہ پہلی صورت میں مدعا بداہۃً ثابت اور گواہ ہونے کی صورت میں بھی حاضر و ناظر ہونا ضروری کہ شہادت بغیر معائنہ کے ہو ہی نہیں سکتی (۲) اور گواہ ہونے کی شکل میں آپ ساری مخلوق پر گواہ ہوں گے اس لیے پوری کائنات حضور کے پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

فاضل رحمانی نے اس پر مندرجہ ذیل گرفتیں کی ہیں۔

(۱) حضور ساری مخلوق پر گواہی تو کیا دیں گے اپنی امت کے لیے بھی صرف اتنا کہیں گے کہ یہ عادل اور سچے ہیں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ہر امتی کی تمام حالتوں سے بھی آپ آگاہ ہوں۔

(۲) شہادت کے لیے دیکھنا ضروری نہیں مدارک میں ہے۔ **الشهادة قد تكون بلامشاهدة كما فى الشهادة بالتسامع فى الاشياء المعروفة**

شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشیائے معروفہ ومشہورہ میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضور کو شاہداً کے لفظ کی وجہ سے حاضر و ناظر کہنا صحیح ہے تو امت محمدیہ کو بھی اس خطاب سے نوازا گیا ہے۔ لہذا سب حاضر ناظر ہوئے۔

شہادت کے معنی: اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی اپنی کتاب عنایۃ علی الہدایۃ میں فرماتے ہیں۔

والشهادة فى اللغة عبارةعن الاخبار بصحة الشى عن مشاهدة و اعيان ولهذا قالوا انها مشتقة من المشاهدة ۔ کتاب مذکورہ جلد۶ صفحہ۲

شہادت لغت میں کسی چیز کی خبر دینا ہے رویۃ ومشاہدہ کے بعد اس لیے اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ سے مشتق ہے۔

الشهادة والمشاهدة والشهود هو الروية۔ تفسیر کبیر دوم صفحہ ۹

شہادت، مشاہدہ اور شہود دیکھنے کا نام ہے (خواہ قلب سے ہو یا آنکھ سے)

والتر کیب للحضور اما بالذات او بالتصور۔ (بیضاوی شریف ص ۴۵)

شہادت کی ترکیب ہی حضور کے لیے ہے بالذات یا بالعلم۔

اور خیر الانبیاء میں تو مفردات راغب کے حوالہ سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ **الشهادة والشهود. هو الحضور مع االمشاهدة اما بالبصر و اما بالبصيرة** ۔شہادت اور شہود کے معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا یہ مشاہدہ خواہ آنکھوں سے ہو خواہ بصیرت سے اور اتنا تو لغت کی ہر کتاب میں مل جائے گا کہ **الشهادة خبر قاطع** ،شہادت خبر قاطع کا نام ہے اور کسی چیز میں قطعیت کے دو ہی طریقے ہیں یا مشاہدہ۔ یا ایسے صادق القول کا خبر دینا جو واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہو۔ بہر حال جہاں تک شہادت کا تعلق ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا ثبوت مشاہدہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لیے شاہد کے معنی خواہ حاضر ناظر ہونا خواہ گواہ۔ بہر حال حاضر ناظر ہونا ضروری ہے۔

شہادت بالتسامع: رہ گیا یہ سوال کہ علامہ نسفی نے فرمایا **والشهادة قدتكون بلا مشاهدة كما فى الشهادة بالتسامع فى الاشياء المعروفة** تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت میں شہادت کا اطلاق حقیقت ہے یا مجاز، حقیقت تو ہے نہیں جیسا کہ کتب لغت اس کی شاہد عدل ہیں۔ اور ابھی ہم نے عنایہ وغیرہ کی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری ہے بلکہ یہ اطلاق مجاز ہے حقیقت نہیں، اسی واسطے فقہائے کرام اس کو خلاف قیاس فرماتے ہیں، اور فرماتے

ہیں کہ شہادت بالتسامع حفظ حقوق کے ماتحت ضرورۃً جائز رکھی گئی ہے، پس جب یہ اطلاق مجاز ہوا تو یہ کہنا کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری نہیں جہالت ہے۔ اور مدارک کی عبارت پیش کرنا جہالت در جہالت کیونکہ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی کہے اسد کے لیے حیواں مفترس ہونا ضروری نہیں بلکہ اسد کبھی حیوان ناطق بھی ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں **زید اسد** اس کا میں اسد کا اطلاق زید پر ہوا جو حیوان ناطق ہے۔

اور فاضل اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں بہت دور کی کوڑی لایا۔

اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی　　اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

امت کی شہادت: اسی طرح امت مسلمہ جو گزشتہ امتوں کے بارے میں بیان دے گی وہ شہادت علی الشہادۃ ہوگا۔ جیسا کہ جب ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کس طرح یہ شہادت دی تو کہیں گے **باخبار القراٰن علیٰ لسان نبیک الصادق** جس سے خود ہمارے ہی دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے جبھی تو امت محمدی سے سوال ہوا کہ آخر گواہی کیسے دے رہے ہو جب تم اس وقت تھے نہیں، پس جس طرح ان کی شہادت علی الشہادت ہے، اسی طرح پر لفظ شاہد کا اطلاق بھی مجازاً ہوا ہے، اور ان کو حاضر ناظر کہنا درست نہیں۔

شہادت توحید: لیکن فاضل رحمانی شہادت علی الشہادت کے طلسم زار میں ایسا پھنسے کہ رہائی ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے تو ہر مسلمان کلمہ توحید کی شہادت کیسے دیتا ہے، لیکن اس سادہ لوح کو معلوم نہیں کہ یہ بھی شہادت علی الشہادت ہے وہ بھی اس پایہ کی کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں حضور کے نہیں بلکہ اپنی معرفت اور علم سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی بارگاہ الٰہی میں نامقبول ہوگی۔

رہ گیا یہ سوال کہ شہادت علی الشہادۃ پر لفظ شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہمارے لیے کچھ مضر نہیں کیونکہ حضور کی شہادت کو بھی شہادت علی الشہادت ثابت کرنے کے لیے مخالف کو دلیل کی ضرورت پڑے گی اور یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

تنبیہہ: یہ واضح رہے کہ مشاہدہ باب شہادت میں اپنے وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نکاح کے ایجاب وقبول کی گواہی دیتا ہے، یہ خبر بھی مشاہدہ میں داخل ہے، لیکن رویت عین یہاں بالکل نہیں، کیونکہ اس کا تعلق آنکھ سے ہے ہی نہیں بلکہ کان سے ہے، یونہی مبصرات کے علاوہ دیگر محسوسات کی گواہی انھیں حواس کے واسطہ سے ہوگی۔ بایں ہمہ وہ تمام قسمیں مشاہدات میں داخل ہیں، اوراس کی اعلیٰ قسم ہیں، یونہی دنیا کی گزشتہ یا آئندہ وہ اشیاء جن کا تعلق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس واسطے سے ہوا ہو سب مشاہدات میں داخل ہیں۔

شہادت کی وسعت: یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ شہادت کے لیے مشاہدہ ضروری ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ حضور کی شہادت کن کن لوگوں پر ہوگی۔ جلالین، تفسیر ابن عباس، بیضاوی، ابوسعود، تفسیر کشاف وغیرہا میں پہلی آیت کے تحت میں یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مزکی اور معدل ہیں۔

دوسری آیت سورۂ نساء کے تحت مدارک وخازن میں ہے۔

جئنابک یا محمد علیٰ ھؤلاء شھیدا الذین خوطبوا بالقراٰن وسمعو القراٰن بما عملوا۔

ہم آپ کو اے نبی ان گواہوں پر گواہ بنائیں گے جن کا قرآن مخاطب کرنے والا ہے۔ اور جنھوں نے قرآن سنا اور عمل کیا۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

جئنابک علیٰ ھؤلاء المنکرین شھیدا۔

ہم نے آپ کو منکرین پر گواہ بنایا

بیضاوی میں ہے۔

تشھد علیٰ صدق ھولاء الشھداء لعلمک بعقائدھم واستجماع شرعک مجامع قواعدھم قیل لھؤلاء اشارۃ الی الکفرۃ قیل الی المومنین۔

آپ ان گواہوں کے صدق پر گواہی دیں گے کیونکہ آپ کو ان کے عقائد کا علم ہے اور آپ کی شریعت جامع ہے ان کے تمام قواعد کی ایک قول یہ ہے کہ ھولاء سے مراد کفار ہیں۔ اور کہا گیا کہ مومنین مراد ہیں۔

ان تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مفسروں کے تین اقوال ہیں۔

(۱) آپ انبیاء پر شہادت دیں گے۔ (۲) کافروں پر شہادت دیں گے۔

(۳) مسلمانوں اور مومنوں پر شہادت دیں گے۔

تیسری آیت کے تحت جلالین میں ہے۔

شاھدا علیٰ من ارسلت علیھم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں کے جن کے آپ رسول ہیں (ساری مخلوق)

تفسیر ابن عباس میں ہے۔

شاھد اعلیٰ امتک بالبلاغ۔

آپ شاہد ہوں گے اپنی امت پر تبلیغ رسالت کے

بیضاوی میں ہے۔

شاھد اعلیٰ من بعث بتصدیقھم و تکذیبھم و تجانھم و

صلاتهم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں پر جن کی طرف مبعوث کئے گئے ان کی تصدیق وتکذیب اورنجات وصلاۃ کے لیے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

شاهد اعلیٰ الخلق یوم القیامة او شاهدا لا اله الا الله او شاهدا فی الدنیا بالجنة والنار و فی الأخرة بالطاعة والمعصیة والفلاح والفساد۔

آپ شاہد ہوں گے مخلوق پر قیامت کے دن۔ یا آپ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے ہیں۔ یا دنیا میں جنت ونار کی شہادت دیتے ہیں اور آخرت میں طاعت وگناہ، فلاح وفساد کی شہادت دیں گے۔

تفسیر ابوسعود میں ہے۔

علیٰ من بعثت الیهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم وتعمل منهم الشهادة بما صدرعنهم من التصدیق والتکذیب وسائر ما هم علیه والهدی والضلال تودیها یوم القیامة۔

آپ شاہد ان لوگوں پر ہیں جن کی طرف مبعوث کئے گئے آپ ان کی کیفیات کے نگہبان، ان کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والے اور آپ ان کی شہادت دیں گے وہ جوان سے صادر ہوا، تصدیق سے تکذیب سے اور ہدایت وگمراہی (سب کی) شہادت قیامت کے دن دیں گے۔

مدارک وخازن میں ہے۔

شاهد اللرسل بالتبلیغ و قیل شاهد اعلی الخلق کلهم۔

رسولوں کی تبلیغ وہدایت کی شہادت دیں گے اور ایک قول کہ ساری مخلوق پر

گواہ ہوں گے۔

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی تصدیق اور تزکیہ فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ میرے امتی سچے ہیں۔ جیسا کہ فاضل رحمانی کا بیان ہے لیکن صرف یہی آیت تو نہیں ہے کہ فاضل رحمانی کی بات مان لی جائے۔ اس ظالم نے تو یہ غضب کیا ہے کہ اور دیگر آیتوں کی تفسیر کر کے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوا ہے، کیونکہ دوسری آیت سے اتنی بات زائد ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء پر بھی آپ گواہ ہوں گے اور دیگر اقوال کی بنا پر ساری مخلوق پر آپ شاہد ہوں گے۔ پھر اگر ان تفسیروں کی روشنی میں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے یہ کہا کہ ساری مخلوق پر آپ کی شہادت ہوگی اور ہم بدلائل ثابت کر آئے ہیں کہ الشهادة هو الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصیرة اس لیے اگر ان سب کے پاس حضور کا دعویٰ کیا تو کیا غضب کیا، لیکن فاضل رحمانی اپنی غلط کوشی ونادانی سے ہر جگہ متبدل ورکیک جیداری سے کام لیتے ہیں۔ اب یہ ناظرین کا کام ہے وہ یہ فیصلہ کریں کہ دزد بکف چراغ وہ ہیں یا دوسرا۔

بحث کا اعادہ: یہ یاد رہے کہ اب تک جو بحث کی گئی صرف اس شق پر کی گئی ہے کہ شاہدا کے معنی گواہ کے ہیں، اور گواہ کے لیے دیکھنا ضروری، لہذا آپ حاضر ہوئے، اور اگر شاہد اشہودا کا اسم فاعل ہو تو اس کے ٹھیک معنی حاضر ناظر ہوئے، جیسا کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا "بھیجا ہم نے آپ کو حاضر و ناظر" اور صاحب مفردات راغب نے هو الحضور مع المشاهدہ سے کیا اور آیت کے اس معنی پر فاضل رحمانی نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ یہ لفظ متکثر المعنی ہے، گویا دبے لفظوں میں اس معنی کا بھی آپ کو اقرار ہے۔ اور دلالۃ النص سے نہیں اقتضاء النص سے ہی حضور کا حاضر وناظر ہونا تسلیم کر لیا۔ یہ عجیب بات ہے۔

ہونٹوں پہ ہنسی آنکھوں میں غضب اقرار بھی ہے انکار بھی ہے۔

حضور جسمی: یہاں ایک مغالطے کا ازالہ ضروری ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن
نے خیر الانبیاء میں فرمایا ''گزشتہ امتوں کے حالات بچشم خود ملاحظہ نہ فرمایا ہوتا تو
آپ سے جرح نہ ہوتی کہ آپ بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہیں۔'' یہاں لفظ
چشم کی آڑ لے کر فاضل رحمانی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اپنے جسد عنصری
کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہیں۔

اس دھوکے کا بھی اصلی سبب یہی ہے کہ یہ شپرہ چشم حضور کے دیکھنے کو بھی اپنی
طرح سمجھ رہا ہے حالانکہ اس سراپا اعجاز صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا ہماری طرح قطعاً
نہیں ہے، ہم صرف سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں انی لاراکم وراء
ظھری کما اری امامی میں تم کو پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح
سامنے۔ حدیث تجلی لی کل شی میں گو تھوڑی ہی دیر کے لیے فاضل رحمانی
بھی یہ مانتے ہیں کہ ساری کائنات حضور پر روشن ہو گئی خواہ گزشتہ ہو موجودہ یا
آئندہ اور حضور نے ہر ایک کا عرفان بھی کیا، پھر کیا آپ اس سے یہ استدلال
کریں گے کہ حضور ہر ہر شے کے پاس بجسدہ حاضر ہوں یونہی حدیث انی انظر
الیھا و انا فی مقامی ھذا ۔ میں بھی آپ کو یہ اقرار ہے کہ آپ کی یہ نظر قیام منبر
تک ہی سہی حوض کوثر پر ہے۔ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ نظر ہماری اور آپ کی
طرح ہے۔ بندہ پرور اس مقدس وجود کے لیے رویت و عرفان کے وہ تمام اصول و
قواعد جو عام انسانوں کے لیے ضروری ہے ان کے لیے ضروری نہیں، وہ بغیر
گزشتہ زمانوں میں بجسدہ موجود ہوئے بھی ہر ایک چیز کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور
یہ ملاحظہ گو ان ظاہری آنکھوں سے نہ ہو۔ مگر اتنی وضاحت رکھتا ہے کہ ساری دنیا
کی نگاہیں مل کر بھی اتنا عرفان حاصل نہیں کر سکتی۔ تو اس کیفیت کے بیان کے لیے
سوائے چشم دید اور مشاہدہ کے لیے اور کون سا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ

مطلب قطعاً نہیں کہ ہم حضور جسمی کے گزشتہ زمانوں میں قائل ہوں، اور نہ اس کو
آپ ہمارے بیان کردہ معنی حاضر و ناظر سے کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ فاضل
رحمانی نے خواہ مخواہ قرآن عظیم کی ان آیتوں کو پیش کر کے جن میں حضور جسمی کی نفی
ہے کتاب کے اوراق میں اضافہ کیا ہے۔

مزکی یا شاہد: گزشتہ اوراق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی آیت میں
علمائے تفسیر نے مزکی و معدل کا لفظ اور دوسری میں بعض نے استعمال کیا ہے اور
تیسری میں حضور کو شاہد ہی لکھتے ہیں، جس سے فاضل رحمانی کی اس بانگ بے
ہنگام کی وقعت ظاہر ہو جاتی ہے کہ امت کے بارے میں آپ صرف اجمالی بیان
دیں گے کہ یہ قابل گواہی ہے۔ اور بس، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ مزکی و معدل
ہونے کے معنی بھی بیان کرتے چلیں تا کہ رگ وہابیت کا کوئی تار باقی نہ رہے۔
علامہ بیضاوی کی تفسیر متعلقہ دوسری آیت تشھد علیٰ صدق ھؤلاء الشھداء پر امیر
خطیب گازرونی حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اقول ھھنا شیئان الاول ما الفائدة فی جعل نبینا شھیدا علی
الانبیاء مع کمالھم والثانی ان الشھادة علیٰ صدق الشھداء لا تعلق
لھم للعلم بعقائد ھم و استجساع شرعه لجامع قواعد ھم بل مدارھا
علیٰ ان یعلم ان ما یقولون فی شانه انه صادق والجواب عن الاول
فائدة اظھار شرف نبینا علیٰ سائر الانبیاء و عن الثانی ان المزکی
للشاھد بعینه یعتبر فی تصدیقه الخبر الباطنة و ھی ان یعلم باطن
احوال الشاھد و ھذا ما قرر فی الفقھیات و لا یخفی ان المزکی اذا
کان عالما بعقائد الشاھد و اعماله کان تزکیة اقویٰ و اشد اعتبارا
والعلم بعقائد ھم اشارة الی امور العقلیه و الاستجماع المذکور

الاعمال يعني ان نبينا صلى الله عليه وسلم عالم بعقائد الانبياء و اعمالهم فلذا صار مزكيا لهم صلوات الله عليهم. (بیضاوی دوم ص ۸۸)

میں کہتا ہوں کہ یہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے نبی کو دیگر انبیاء پر گواہ بنانے میں فائدہ کیا ہے دوسرے گواہوں کے صدق پر شہادت علم عقائد اور محمدی شریعت کا دیگر شرائع کے جامع ہونے سے کوئی علاقہ نہیں۔ بلکہ صرف یہ جاننا چاہیے کہ یہ جو شہادت دے رہے ہیں اس میں سچے ہیں، پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اس میں ہمارے نبی کی شرافت و کرامت کا اظہار ہے دیگر انبیاء پر اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ شاہد بعینہ کے تزکیہ و تصدیق میں یہ بات ضروری ہے کہ مزکی شاہد کے حالات باطنی کا بھی مشاہدہ کرے، اور یہ بات اہل فقہ کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مزکی جب شاہد کے عقائد اور اعمال کو جانے گا تو اس کا تزکیہ اور زیادہ قوی اور معتبر ہوگا اور علم عقائد سے مراد امور عقلیہ ہیں اور استجماع مذکور سے مراد اعمال، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور تمام اعمال کو بھی، اس لیے آپ ان تمام رسولوں کے مزکی ہو گئے۔ ان پر خدا کا سلام ہو۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مزکی ہونا تو شاہد سے بھی بڑا مرتبہ ہے اور شاہد سے بھی زیادہ علم و عرفان چاہتا ہے، اور ہمارے سادہ لوح مخالف اپنے زعم میں خوش ہیں کہ ہم نے شہادت کا انکار کر کے حضور کو حاضر و ناظر ہونے نہیں دیا، یہ تو وہی ہوا۔

مچھلی سمجھ رہی ہے کہ لقمہ یہ تر ملا صیاد کہہ رہا ہے کہ کانٹا نکل گئی

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم: اس آیت سے خیر الانبیاء میں یوں

استدلال کیا گیا ہے کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ کے معنی قریب تر کے لکھے ہیں۔ اس لیے حضور مومنین کی ہر آبادی خواہ وہ عالم بالا کی ہو یا عالم ادنی کی سبھی جگہ ہوئے۔ فاضل رحمانی اس پر دو اعتراض کرتے ہیں، اولاً تو یہ معنی عام تفاسیر میں نہیں ہے، ثانیاً اگر اس کے معنی شاہ صاحب کی تفسیر کی بنا پر قریب تر ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے پاس حضور ثابت ہوتا ہے، اور حنفی دونوں عالم میں حضور کے قائل ہیں۔

اولیٰ کے معنی ضروری قرب مکانی کے ہیں۔ اس کے علاوہ جس مجازی معنی میں مستعمل ہوگا، اس میں قرب کا معنی پایا جانا ضروری ہے، خواہ وہ قرب علمی ہو یا تصرفی ہو، یا مقام کے مناسب کوئی اور قریب ہو، جیسا کہ مجاز کے بارے میں یہ اصول طے ہو چکا ہے۔ اس لیے آیت مذکورہ میں دیگر تراجم کی بناء پر قرب مکانی نہ سہی قرب علمی یا تصرفی ضرور ہوگا اور اتنا ہمارے مدعیٰ کے لیے کافی ہے لیکن **والفضل ماشهدت به الاعداء** خود فاضل رحمانی سے ایک ایسا جملہ نکل گیا ہے جو ہمارے مدعی کو ثابت کرتا ہے، آپ لکھتے ہیں یعنی حضور مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور جب حضور کو آپ نے متصرف مان لیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور کو ہر ایک مومن کا واضح علم ہے، کیونکہ تصرف کے لیے تقدم علم ضروری ہے اس طرح فاضل رحمانی نے نادانستہ حضور علمی کو تسلیم کر لیا۔ رہ گیا آپ کا یہ اعتراض کہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ یہ غایت جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ مومنوں سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں حتی کہ کافروں کے کندوں پر بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں جو مومن ہیں، اسی طرح عرش و فرش زمین و آسمان کا کون سا حصہ ہے جہاں جن و ملک یا انسان نہیں۔

وما ارسلناک الا رحمة للعلمین: اس آیت سے نکتہ استدلال
یہ تھا کہ سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو اس آیت میں خدا نے اپنی ذات کے علاوہ
سارے عالم کے لیے رحمت بتلایا ہے، اس لیے آپ کا تعلق ہر ایک سے ہونا
چاہیے لیکن اس پر یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ تعلق کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ آپ سب
کے عالم بھی ہوں، اس لیے دوسری آیت وسعت رحمتی کل شی سے یہ
ثابت کیا گیا کہ وہ رحمت سب کو گھیرے بھی ہے یہاں یہ خیال کرنا کہ حضور عالم
کے لیے رحمت تو ہیں لیکن اللہ کی رحمت نہیں اور آیت میں رحمتی یعنی اللہ کی رحمت کا
ذکر ہے، نری جہالت ہے، لیکن فاضل رحمانی کو اسی جہالت پر فخر ہے، یہاں بھی وہ
اعتراض کرتے ہیں۔ دو۔

۱۔ قرآن میں چودہ معنی رحمت کے آئے ہیں جن میں کوئی معنی حضور کی ذات
نہیں وہ معنی یہ ہیں اسلام، ایمان، جنت، بارش، نعمت، نبوت، قرآن، رزق، مدد،
فتح، عافیت، کشائش، مغفرت، عصمت لہذا رحمتی سے مراد آیت و رحمتی
وسعت کل شی میں حضور کی ذات نہیں ہوسکتی کہ رحمت کے یہ معنی نہیں۔

۲۔ اگر ہم رحمت کے معنی حضور کی ذات بھی لے لیں تو چونکہ دونوں آیتوں
سے شکل اول بنتی ہے، اور یہ صحیح نتیجہ اس وقت دے گی، جب حد اوسط متکرر ہو، اور
یہاں حد اوسط صغریٰ میں رحمت عالم ہے، اور کبریٰ میں اللہ کی رحمت لہذا یہ شکل صحیح
نہیں اور نتیجہ بھی درست نہ ہوگا۔ بمصداق

آنکھ والے ترے جلووں کا تماشا دیکھیں
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

فاضل رحمانی نے یہاں اپنی فقدان بصیرت کا ثبوت دیا ہے، ورنہ جو شخص کسی
طرح یہ معلوم کرسکتا ہے کہ پورے قرآن میں چودہ جگہوں پر چودہ معانی کے لیے

لفظ رحمت کا استعمال ہوا ہے، وہ اس پندرھویں جگہ کو چھوڑ دے جہاں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکلتی ہو۔

نور گیتی فروز چشمہ حور — زشت باشد بچشم موشک کور

کیا زیر بحث آیت وما ارسلنک الا رحمة للعلمین میں حضور کی ذات
اقدس پر رحمت کا اطلاق نہیں ہوا ہے، اگر ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے پھر دیدہ و دانستہ
اس سے اعراض کر جانا صریح بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے ایمانداری سے
کام لیتے ہوئے ان چودہ معانی پر ایک اور کا اضافہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان میں کون
اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وسعت رحمتی کل شئی کے تحت آسکے۔

اسلام کبھی بھی ہر شئے کو گھیرے نہیں ہے، یونہی ایمان کی دولت سے لاتعداد
اشیاء محروم ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں جنت کا دروازہ کافروں کے لیے بند ہی
رہے گا، بارش بھی آسمان پر نہیں ہوتی نعمت ایسا لفظ ہے جو رحمت کے ہم معنیٰ ہے،
نبوت کے اہل معدود حضرات ہیں، اور قرآن کے گھیرنے کے معنی اگر یہ ہوں کہ
اس میں ہر شے کا بیان ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی اور حضور
ثابت ورنہ احاطہ ممنوع، رزق غیر مرزوق کو گھیر نہیں سکتا، مدد مغضوب علیہم کی نہیں ہو
سکتی، عافیت سے پریشان حالوں کا کاشانہ خالی ہے، مودت کی اہل کتنی چیزیں
نہیں ہیں، کشائش کا دامن بھی سارے عالم کو گھیر نہیں سکتا۔ مغفرت سے مشرکین
قطعاً تہی دامن ہیں۔ عصمت و حفاظت بھی بے شمار اشیاء کے لیے نہیں، پھر وہ
رحمت کونسی ہے جو معنی مطابقی کے ساتھ سب کو گھیرے ہو۔ ہم چیلنج کرتے ہیں
فاضل رحمانی کو کہ وہ ثابت کریں ان چودہ معانی میں کسی ایسے معانی کو جو سارے
عالم کو گھیرے ہو آپ نے رزق مراد لیا ہے، لیکن سوچنا چاہیے تھا کہ رزق کے
احاطے سے نباتات جمادات خارج ہیں، کیونکہ رزق اس چیز کو کہتے ہیں جس سے

حیوان انتفاع حاصل کر سکے۔

اگر کوئی رحمت سارے عالم کو گھیر سکتی ہے تو وہ ذات گرامی ہے سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، اسی لیے صاحب مواقف حضرت مولانا العلام امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ موقف نواسی میں فرماتے ہیں۔

فان حقیقۃ صلی اللہ علیہ وسلم ھو الرحمۃ التی وسعت کل شی.

حقیقت مصطفویہ ہی وہ رحمت ہے جو سارے عالم کو گھیرے ہے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ اس دلیل میں حد اوسط متکرر نہیں لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں مگر اللہ کی رحمت نہیں۔حضور خدا کی رحمت ہیں، اور ضرور ہیں پھر فاضل رحمانی کس منہ سے کہتے ہیں کہ حد اوسط متکرر نہیں۔حضور رحمت عالم ہونے کے ساتھ ہی خدا کی بھی رحمت، اور خدا کی رحمت عالم کو گھیرے ہے لہذا حضور سب کو گھیرے ہیں۔ہم نے ان دونوں آیتوں کو منطقی استدلال کی شکل میں پیش نہیں کیا تھا، لیکن آپ نے اس کو تسلیم کر کے اپنے کو پابند بنا لیا ہے، لہذا اس کا نتیجہ بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا، آپ خواہ مخواہ منطقی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے خیال میں خود اپنا ہی پیش کردہ وہ شعر۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

بار بار پڑھ کر اپنے سینے پہ دم کیجئے۔اس مالیخولیا سے آپ کو نجات مل جائے گی۔

احادیث

احادیث پر بھی فاضل رحمانی نے عجیب بے ہنگم اور لایعنی تبصرے کئے ہیں، ذیل میں نمونۃً چند احادیث کو پیش کیا جا رہا ہے۔جس سے فاضل رحمانی کے علمی افلاس وسفلہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔

فتجلے لی کل شی و عرفت :اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔

فعلمت ای سبب وصول ذالک الفیض ما فی السموات والارض عبادۃ عن سعۃ علمہ وقال ابن حجر جمیع الکائنات التی فی السموات بل و ما فوقھا و جمیع ما فی الارض السبع.

پس جان لیا میں نے اس وصول فیض کے سبب سے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ تعبیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی۔ابن حجر کا قول ہے کہ جو آسمان کے اوپر ہے اور اس میں ہے، وہ سب کائنات اور ساتوں زمین میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

پس دانستم ہرچہ درز مینھا و ہرچہ در آسمانہا بود، عبارت است از حصول تمامہ علوم کلی و جزئی۔

پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ عبارت ہے حصول سے تمام علوم کلی و جزئی کے۔

اور علامہ طیبی کا بھی یہی خیال ہے، مذکورہ تصریحات علماء کی روشنی میں رویت کا مطلب یہی ہوا کہ حضور کو ایک رات خواب میں ایک خاص قسم کا وصول

فیض ہوا، جس کے سبب آپ نے سارے عالم کو دیکھا، جانا، پہچانا، یہ وصول فیض اور حصول علم کلی و جزئی صرف خواب کی حالت تک رہا، اور آپ جب بیدار ہوئے، تو معاذ اللہ وہ سارا علم وعرفان آپ سے چھین لیا گیا۔ یہ دعویٰ انتہائی جی داری اور بے پناہ جہالت ہے، کیونکہ حدیث کے کسی لفظ سے نہ تو یہ معنی مترشح ہوتا ہے، نہ ہی کسی معتبر حدیث داں عالم نے اس کے یہ معنی بتائے، لیکن برا ہو فاضل رحمانی کا جنھوں نے عداوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں حدیث کے یہ معنی گڑھے اور اس کو بڑے طمطراق سے بیان کیا، افسوس۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

آپ لکھتے ہیں ''چونکہ حضور اس واقعہ کو خواب کا بیان فرمارہے ہیں جو ایک خاص وقت ہے لہذا یہ قضیہ وقتیہ ہوا، مطلب یہ ہوا کہ اس خاص وقت میں یہ بات تھی کہ قدرت نے اپنا ہاتھ حضور کے سینہ پر رکھا تجلی ہوئی، سب روشن ہوگیا خواب کے بعد نہ وہ ہاتھ رکھنا نہ وہ روشنی نہ عرفاں''۔ عیاذاً باللہ اگر یہ خاص وقت کا عذر لنگ قابل اعتبار ہو تو ایک شخص بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مخالف علامہ عبدالرؤف نرے جاہل، پکے بدھو، گھامڑ ہیں، اور ان کی فضیلت علمی کی ساری سندیں اور عالم تعلیم کی ساری کوششیں، بیکار، حرف غلط اور نقش برآب ہیں، کیونکہ اپنے ماں کے شکم سے تو تمام علم لے کر آئے نہیں، لامحالہ ان کے جس استاد نے جب بھی ان پر ہاتھ رکھ کر یا ڈنڈا رکھ کے جس طرح بھی تعلیم دی ہوگی، وہ کوئی نہ کوئی خاص وقت ضرور ہوگا لہذا یہ قضیہ (دلی یا کسی جگہ سنہ فلاں میں عبدالرؤف خاں نے پڑھا) وقتیہ ہوگا۔ اور وقت خاص گزرنے کے بعد نہ تعلیم نہ تعلم، ہمارے مولانا ویسے ہی رہے جیسے گئے تھے۔ چلو اللہ اللہ خیر صلا، شاید آپ ہی کے لیے سعدی شیرازی نے کہا تھا۔

سگ بدریائے ہفت گانہ بشو چونکہ ترشد پلید تر باشد
خر عیسیٰ گرش بمکہ برند چوں بیاید ہنوز خر باشد

واہ مولانا واہ بارہ برس تک دلی رہے بھاڑ ہی جھونکا کئے۔

اس حدیث میں مستند علمائے حدیث کے خلاف اتنی بڑی جہالت کا مایہ خمیر یہ ہے کہ وہابیوں نے غلطی سے خدا کے لیے بھی اپنے ہی جیسا ہاتھ سمجھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آدمیوں جیسا ہاتھ کسی کے سینہ سے ہمیشہ چپکا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو بقول فاضل رحمانی خدا کا ہاتھ بھی آپ کے سینہ سے جدا ہو چکا تھا۔ اور حضور نے خواب میں جو کچھ جانا پہچانا تھا سب بھول چکے تھے۔ ورنہ اس تشبیہ کا کیا مطلب کہ خواب میں حضور کے سینے پر خدا کا دست قدرت رکھنا ایسا ہی ہے جیسے بیڑی کی روشنی، وہ اسی وقت اجالا دیتی ہے جب پیچھے والا ڈھکن بھی اس میں لگا ہو، جہاں وہ ڈھکن جدا، روشنی بھی غائب، بخلاف اس کے علمائے اسلام کا یہ خیال ہے کہ ''ہاتھ رکھنے سے مراد'' وصول فیض ہے، یعنی عالم خواب میں خدا کی طرف سے فیض پہنچا۔ اور آپ نے احاطہ علوم کلی وجزئی کیا سب کچھ آپ پر روشن ہوگیا۔

فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

ایک دلچسپ گرفت: یہاں فاضل رحمانی نے ایک بڑی دلچسپ قلابازی کھائی ہے یہ امر تو واضح ہے کہ آپ اسی حضور و علم کو جس کے ہم قائل حضور کے لیے ہیں خدا کی صفت خاصہ قرار دیتے ہیں، اور آیت لیس کمثلہ شی سے اس صفت خاصہ کی نفی غیر خدا سے کرتے ہیں، فتجلی لی کل شی سے اسی کو ہم نے حضور کے لیے ثابت بھی کیا، اور فاضل رحمانی اسی کو گو حالت خواب ہی میں، گو

بطریق معجزہ ہی، گوتھوڑی ہی دیر تک حضور کے لیے ثابت مانتے ہیں، اوراس کے
بعد زوال کے قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا چند منٹ کے لیے ہی خدا کی کسی صفت
خاص کو کسی مخلوق کے لیے ثابت ماننا شرک نہیں۔ کیا ایک آدھ گھنٹے کے لیے کوئی
شخص معبود ہوسکتا ہے، گوبطور معجزہ ہی سہی، اگر نہیں تو آپ نے بطور معجزہ عالم
خواب میں علم الٰہی (بقول آپ کے) حضور کے لیے ثابت مان کر شرک کیا یا
نہیں، اور ہم کو مشرک کہتے کہتے خود مشرک ہوئے کہ نہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ماهو کائن فیها :اس
حدیث کے بارے میں فاضل رحمانی نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔
فاضل مذکور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ بڑے طمطراق سے دیتے ہیں، لیکن آپ کی حیلہ
جوآنکھ یہودیوں کی طرح ہمیشہ ایسے حوالے کھا جاتی ہے جو آپ کے مفید نہ ہوں،
اسی میں آپ کو یہ صحیح حدیث نظر نہ آئی، جو حدیث مذکور کے متابع ہے، اوراس کو
صحت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔

**ان اللّٰه قد ذوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها
لاتسئلونی عن شی الااخبر تکم** : بے شک خدا نے میرے لیے زمین
کو لپیٹ دیا کہ میں نے اس کے ہر ہر حصے کو دیکھا۔ اس حدیث سے استدلال یہ تھا
کہ حضور فرماتے ہیں۔ جو تم پوچھو گے بتاؤں گا، عربی میں نکرہ تحت نفی مفید استغراق
ہے، اس لیے حضور نے اپنے اس قول میں ہر شئے کے بتانے کا دعوی کیا۔ اگر آپ
کو علم نہ ہوتا تو حالت غضب میں ہی سہی آپ خلاف واقع دعوی نہ کرتے۔

میاں رحمانی نے بڑی کوشش اس بات کی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
حالت غضب میں یہ قول فرمایا تھا، اس لیے معاذ اللہ! یہ خلاف واقع بات آپ

کے منہ سے نکل گئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور (خاک بدہن گستاخ) کیا حالت غضب میں بھی
کسی جھوٹی بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ تو پوری تاریخ اسلام ہمیں اس کی شہادت
دیتی نظر آتی ہے کہ حضور نے کبھی حالت غضب میں بھی خلاف واقع بات نہ کی۔

**عن عبد اللّٰه بن عمر وقال کنت اکتب کل شی اسمعه من
رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ارید حفظه فنهی القریش وقالوا
اتکتب کل شی و رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بشر یتکلم فی
الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت لرسول اللّٰه صلی اللّٰه
علیه وسلم فاوما باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده ما
یخرج منه الاالحق.** (ابوداؤد جلد۲ ص۱۶۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر اس بات کو جو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلتی لکھ لیتا کہ یاد کروں گا قریش نے
مجھے منع کیا کہ تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی ہیں
جو کبھی غصہ میں کلام کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں، تو میں یہ سن کر رک گیا اور لکھنا
چھوڑ دیا، پھر حضور سے اس کا تذکرہ کیا پس آپ نے اپنی مبارک انگلیوں سے
اپنے پاک منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا لکھ لیا کرو، قسم اس ذات کی جس کے
قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے تو حق ہی نکلتا ہے۔

علامہ رحمانی کہتے ہیں۔

''سوال سے منع کرنے کے لیے حالت غضب میں آپ نے سلونی سلونی
فرمایا۔ جس کا مطلب کثرت سوال سے روکنا تھا۔ لہذا کثرت سوال کا جواز نکلا ہی
نہیں کہ کثرت اخبار ثابت ہو، اوراس سے کثرت علم پر استدلال کیا جائے۔''

ہم کہتے ہیں کہ عدم اخبار عدم علم کو مستلزم ہی نہیں، پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کثرت اخبار سے کثرت علم ثابت کر رہے ہیں، قبلہ ہمارا استدلال لاتسئلونی عن شیء الانبئاتکم سے ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جملہ حضور نے علم ہونے پر کہا یا بغیر علم کے؟ اور گو حالت غضب میں ہی سہی، وہ صدیق وامین جھوٹ نہیں بول سکتا، اس لیے یہ ادعاء پر بنائے علم ہے، اور دعویٰ ہر شے کے علم کا ہے لہذا کثرت علم ثابت، اس لیے عدم اجازت سوال کی یہ ساری موشگافیاں بقول آپ کے پادر ہوا ہیں اور آپ ان پر بھروسہ کرنے والے۔

ہائے جب صیاد نے پھونکا نشیمن کو میرے — جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

فاضل رحمانی ترقی کر کے کہتے ہیں، اگر ہم یہ استدلال صحیح مان لیں تو یہ قضیہ مشروطہ ہوگا، اور حضور کا یہ اخبار قیام منبر تک کے لیے، اس لیے آپ کا یہ اخبار اتنی ہی دیر ہوگا جتنی دیر آپ منبر پر رہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کی مراد اس تقریر سے کیا ہے۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیام منبر تک اخبار تو قیام منبر تک علم، اور جب اخبار ختم تو علم ختم اگر یہ صحیح ہے تو غالباً معاذ اللہ خدا کو بھی آپ ان علوم سے جاہل مانتے ہوں گے جن کی خبر قرآن میں اس نے دی ہے کہ اخبار ختم ہوتے ہی ان کا علم بھی ختم ہو گیا علاوہ ازیں اگر قیام منبر تک اخبار محدود ہے تو علم کو آپ کیسے محدود کر رہے ہیں اس کے ثبوت کے لیے آپ کو کوئی اور دلیل لانی ہوگی، یہاں پھر وہی سوال ہے کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں کوئی حرج تصور نہیں کرتے۔

یخبر کم بما مضیٰ وما ھو کائن: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ماکان و مایکون کی خبر دیتے ہیں۔ فاضل رحمانی کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ۔

ما مضیٰ میں اور ما کان میں لفظ ما عام نہیں ہے، کیونکہ اگر عام مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام بھی اس علم میں آپ کے شریک ہوں، اور ان کو بھی حاضر ناظر کہا جائے، نیز آیت وعلمک مالم تکن تعلم میں بھی اگر ما عام ہو تو اس آیت میں جو بندوں کے لیے ہے یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں بھی ما عام ہوگا۔ اور اس تقریر پر حضور اور سارے امتی حاضر ناظر ہوں گے۔

یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے کہ وہ بات جس کے ہم قائل نہیں اس کو ہمارے سر تھوپا جائے، ہم نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ما صرف عموم کے لیے ہی آتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ آیت وعلمک مالم تکن تعلم اور حدیث ما مضیٰ و ما ھو کائن میں ما عموم کے لیے ہے، کیونکہ ما کے بارے میں یہ اصول طے ہے کہ اصل وضع میں عموم کے لیے ہے، اور اس سے پھیرنے کے لیے قرینۂ صارفہ کی ضرورت ہے۔ اگر آیت و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں امت کے اس اجماعی مسئلے کی وجہ سے ما عام نہیں ہے تو آیت و علمک مالم تکن تعلم میں اصل معنی سے پھیرنے والی کون سی چیز ہے، آپ دیکھتے نہیں ان اللہ بکل شی علیم میں لفظ کل کے استغراق میں خدا بھی داخل ہے حالانکہ ان اللہ علیٰ کل شی قدیر سے خارج ہے۔

حدیث پر آپ کا یہ اعتراض کہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور انھوں نے جن جن کو بتایا سب حاضر ناظر ہو جائیں۔ کامل عیاری اور حدیث سے عدم واقفیت او جہالت پر مبنی ہے، عیاری تو یہ کہ بڑی چالاکی سے آپ نے صحابہ کرام کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ عوام سمجھیں کہ تمام صحابہ کرام حاضر ناظر ہو گئے، اور اگر واقعی کم کی ضمیر سے جمیع صحابہ کا استغراق مراد لیا ہے تو ہم کو آپ کے اس فراخدلی پر یہ مثل یاد آتی ہے۔ میٹھا میٹھا ہپ ہپ۔ کڑوا کڑوا۔ تھو تھو، کیونکہ کہاں تو ما کے عموم

سے انکار اور کہاں ضمیر خطاب کو لفظ استغراق بنا ڈالا۔ اور اگر بعض صحابہ مراد ہیں تو ان کو علم ما کان و ما یکون ہے اس سے کس کو انکار ہے، یہ حدیث صحیح کا مضمون ہے۔

عن عمر قال قام فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقاما، فاخبرنا عن بدأ الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم، حفظ ذالک من حفظ ونسیہ من نسیہ، (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۰۶)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کے حالات بیان کرتے ہوئے یہاں تک بیان کیا کہ جنت والے اپنی جگہ اور دوزخ والے اپنی جگہ پہنچ گئے، (یعنی ازل سے ابد تک سب بیان کیا) جس نے یاد رکھا، یاد رکھا۔ جو بھول گیا بھول گیا۔

عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فترک وصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۴۳)

ایک دن حضور نے ہم کو نماز صبح پڑھائی پھر منبر پر جا کر ظہر تک بیان کرتے رہے پھر اتر کر نماز ظہر پڑھائی اور منبر پر جا کر عصر تک بیان کرتے رہے۔ اتر کر عصر پڑھی، پھر منبر پر جا کر غروب آفتاب تک بیان کیا اور پورے دن میں قیامت تک ہونے والی سب باتیں بیان کر دیں۔ اور آج ان باتوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہی سب سے بڑا عالم ہے۔

رہ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے علم کے برابر ہونے کا سوال یہ

ایک عام سرمایہ جہالت ہے جو حضور کے علم پر بھی وارد کیا جاتا ہے کہ اگر حضور ما کان و ما یکون کے عالم ہوں تو لازم آئے گا کہ آپ کا علم خدا کے علم کے برابر ہو جائے۔ اب ان گم کردگان راہ کو کون بتائے کہ ما کان و ما یکون کے علاوہ اور کتنے علوم ہیں جن کو حضور جانتے ہیں اور آپ نے ان کو صحابہ کرام کو نہیں بتایا۔ یونہی حضور کے سارے علوم کے بعد بھی ذات الٰہی کے لیے اتنا علم بچ رہتا ہے جس کے مقابلہ میں حضور کا کل علم ذرے کے کروڑویں حصے کے برابر بھی نہیں۔

اختصار

یہاں تک ہم نے جن باتوں کو اہم سمجھا ہے ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا ہے، اور اس کے علاوہ فاضل رحمانی نے جو کچھ کہا ہے، جاہلانہ معارضوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر جلد دوم کی ساری بحث کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کو دو قسم کے معارضے ملتے ہیں۔

(۱) وہ آیات واحادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً:

آیات:

(۱)قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب.

(۲)قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰہ.

(۳)لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر.

(۱) اے حبیب کہہ دو کہ نہ تو میں اپنے پاس خزائن الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، نہ عالم غیب ہونے کا قول کرتا ہوں۔

(۲) اے حبیب کہہ دو کہ آسمان وزمین میں سوائے خدا کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۳) اگر میں غیب جانتا تو بہت ہی بھلائی جمع کر لیتا۔

حدیث

(۱) انک لا تدری ما احدثوا بعدک. (مشکوۃ ص ۴۸۸)

(۲) فی خمس لا یعلمھن الا اللّٰہ. (مشکوۃ ص ۱۱)

آپ نہیں جانتے؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

(۳) وہ واقعات جن سے وہابی منطق میں عدم علم کا ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حضور حاضر وناظر تھے تو حضرت حمزہ شہید رضی اللہ عنہ کو وحشی کے حملہ سے کیوں نہ بچالیا، یا خود حضرت عائشہ کی برأت کیوں نہ ظاہر فرمائی۔ وحی الٰہی کا انتظار کیوں کیا۔ وغیرہ وغیرہ

خیر الانبیاء میں فاضل مولف نے ان توہمات فاسدہ کے اجمالی اور تفصیلی دونوں جواب اتنے مثالی دیئے ہیں کہ مزید تشریح اور وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں اور فاضل رحمانی اگر آدمی ہوتے تو شرم وحیا سے کام لیتے۔ اور جیسے پانچ سال صبر کیا اور صبر کرتے، بات آئی گئی، ہوگئی تھی، لیکن ان کو کچھ اور ید اللہی طمانچے کھانے تھے اس لیے بول اٹھے اور۔

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن، پر عملدرآمد شروع کر دیا۔

ہم نے حتی الامکان بحث کو سمیٹنے کے لیے ساری ہفوات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور غیر ضروری متعلقات سے قصداً اغماض کر کے صرف مجموعی جواب پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ ہمارا جاہل مخالف غیر ضروری تفصیل میں پڑ کر اصل مقصد پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

آیات کے مقابلہ میں آیات: مذکورہ بالا آیتوں کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل آیتیں قابل ملاحظہ ہیں۔

وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللّٰہ علیک عظیما۔ (پ۵ آیت ۱۱۳)

آپ کو خدا نے وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے، اور آپ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شی۔ (سورہ نحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر شی کا واضح بیان ہے۔

عالم الغیب فلا یظهر علیٰ غیبه احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔(سورہ جن:۲۶)

خدا عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

لا یحیطون بشی من علمه الا بماشاء۔(سورہ بقرہ:۱۵۵)

اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

ماکان اللّٰه لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰه یجتبی من رسله من یشاء۔(سورہ آل عمران:۱۷۹)

خدا تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، لیکن جس رسول کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جس طرح علم غیب کی نفی ہے۔ان آیتوں میں اس کا ثبوت ہے، اصول تطبیق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ پہلی آیتوں میں جس غیب کی نفی ہو وہ اس کے علاوہ ہو، جو دوسری آیتوں میں حضور کے لیے ثابت ہو، اس ۱؎ امر میں ''اہل سنت'' اور ''وہابیہ'' دونوں متفق ہیں، جہاں ثبوت ہے وہاں بعض مراد ہیں اور جہاں نفی ہے وہاں کل، کیونکہ کسی سنی عالم کے قول یا تحریر سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی سنی عالم علم خدا اور علم نبی کو برابر کہتا ہو۔

جہاں جہاں بھی ''اہلسنت'' نے حضور کے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا ہے وہ جمیع ماکان و ما یکون تمام اشیاء یا بالفاظ دیگر ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک

۱؎ وہابیہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف اور متعارض رہے ہیں کبھی مطلقا علم غیب کی نفی کرتے ہیں اور کبھی بعض علم غیب ثابت کرتے ہیں۔منہ ۱۲

ہے، پھر کون بے وقوف کہہ سکتا ہے کہ تمام اشیاء کا علم بالفاظ دیگر کل علم علم الٰہی کا بعض نہیں ہے۔۱؎

مابہ النزاع: اصل جھگڑا یہ ہے کہ اہل سنت اس بعض کو جس کا ثبوت قرآن سے ہے اتنا وسیع مانتے ہیں کہ کونین کی ساری وسعت اس میں سما جائے اور

۱؎ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل رحمانی نے اپنی نادانی سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب پر اعتراض کیا ہے کہ کہیں حضور کو جمیع ماکان و ما یکون کا علم مانتے ہیں اور کہیں بعض، گویا ان بے دال کے بودم کے نزدیک علم جمیع اشیاء اور علم بعض میں منافات ہے اور ان کو خبر نہیں کہ علم جمیع انباء یا علم ماکان و ما یکون اور علم کل بعض ہی ہے علم الٰہی کا کیونکہ علم الٰہی غیر متناہی اور علم ماکان و ما یکون متناہی، اور متناہی غیر متناہی کا بعض ہی ہوتا ہے۔دیکھو امام رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ و احاط بما لدهم و احصیٰ کل شی عددا کے فرماتے ہیں۔قلنا لا شک ان احصاء العدد انمایکون فی المتناهی، فاما لفظة کل شی فانها لا تدل علیٰ کونه غیر متناه لان الشی عندنا هو الموجودات والموجودات متناهیة فی العدد ،احصاء فی العدد متناہی میں ہوتا ہے، اور لفظ کل شئی متناہی ہے کیونکہ موجودات ہیں، اور موجودات متناہی ہیں، پھر یا تو علم الٰہی کو متناہی مانو یا علم کل شی کو علم الٰہی کا بعض، بندہ پرور۔

ہنوز طفلی و از نوش و تمیش بے خبری
چہ علم خویش کہ از جہل خوش بے خبری

ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ علم کل یا علم بعض ایک ہی چیز ہے، جو حضور کی صفت ہے۔

اس کی ایک سرحد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے وجود کی ابتداء ہوتی ہے اور دوسری سرحد وہاں ختم ہوتی ہے جب اس کائنات کی عمر ختم ہوتی ہے، برخلاف اس کے اہل نجد و وہابیت ان چند جزئیات کا علم مانتے ہیں، جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ہے، یا کچھ اس کے علاوہ بھی، باقی (معاذ اللہ) حضور کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں، دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، اپنی ازواج کی پاک دامنی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں، آپ کے امتی جو کچھ کریں خواہ نیک خواہ بد اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں (وغیر ذالک من الخرافات) مزید برآں وہ چند باتیں بھی اب غیب نہیں رہ گئیں، کیونکہ جو چیز بتا دی جائے وہ غیب نہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے غیب کا علم ہی نہیں۔

مقام غور: علمائے اہل سنت کا قول ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ حضور کو چند باتوں کا علم تھا۔ تطبیق تام نہیں ہو جاتی، اس لیے کہ جن آیات سے ثبوت علم ہے ان میں تبیانا لکل شی اور علمک مالم تکن تعلم آیا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس بعض کو اتنی وسعت دی جائے کہ تمام اشیاء ان میں آجائیں، رہ گیا اس پر یہ سوال کہ لازم آئے گا کہ خدا اور نبی کا علم برابر ہو جائے، تو یہ فقدان بصیرت کی پیداوار ہے، کیونکہ بے شمار فرق خدا اور بندے میں موجود ہیں۔ بندے کا علم متناہی کہ ابتدائے آفرینش سے انتہائے دنیا تک ہے، اور خدا کا علم غیر متناہی، جس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں، خدا کا علم قدیم، بندے کا علم حادث، بندے کا علم عطائی، خدا کا علم ذاتی، بندے کا علم حصولی کہ پہلے نہ تھا غیر سے حاصل کیا اور حصول کے بعد بھی ذہول ممکن۔ خدا کا علم حضوری کہ طرفۃ عین کے لیے بھی اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ پھر ان تمام امتیازات کے باوجود کون بے وقوف ہوگا، جو خدا اور بندے کا علم یکساں اور برابر بتائے گا، اس لیے علم ماکان و

ما یکون ماننے پر بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

غیب تعلیم کے بعد بھی غیب ہی رہتا ہے: ہاں یہ خیال کہ تعلیم کے بعد علم غیب شہادت ہو جاتا ہے، غیب نہیں رہتا، اندھے کی لاٹھی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ اس کی تائید آیت، یا حدیث یا لغت وغیرہ سے نہیں ہوتی، برخلاف اس کے قرآن بار بار انھیں واقعات کو جن کی تعلیم کر چکا ہے من انباء الغیب نوحیہ الیک کہہ کر اعلان کرتا ہے کہ تعلیم کے بعد بھی وہ غیب ہی رہتا ہے۔

علم غیب اور معجزہ میں منافات نہیں: علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، النبی ھو المطلع علی الغیب، نبی مطلع علی الغیب کو کہتے ہیں اور لغت میں نبی کے یہی معنی ہیں، ان امور کی روشنی میں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ بتا دینے کے بعد غیب نہیں رہ جاتا، اور اس سے بھی بڑی جہالت یہ ہے کہ حضور نے جن امور کی خبر دی وہ علم غیب نہیں بلکہ از قسم معجزہ ہے گویا علم غیب اور معجزہ میں منافات ہے کہ کوئی معجزہ علم غیب نہیں ہو سکتا اور کوئی غیب معجزہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ہر خرق عادت جس کا ظہور نبی سے ہو لغۃً معجزہ ہے، اور غیب کی خبریں دینا ضرور خرق عادت ہے ہم فاضل رحمانی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کہیں سے بھی خرق عادت یا معجزہ اور علم غیب میں منافات ثابت کریں اور اپنے مولوی ہونے کی لاج رکھ لیں ورنہ سوچ سمجھ کر بولنے اور لکھنے کی عادت ڈالیں!

اول اندیش وآں گہے گفتار   پائے پیش آمدست پس دیوار

علم غیب کی یہ بحث ناقص رہ جائے گی اگر فاضل رحمانی کی ان وحشت اثر وارفتگیوں کا حال مذکور نہ ہوگا۔ جو انتہائی پاگل پنے میں ان سے سرزد ہوگئی ہیں۔ تردید حاضر ناظر ص ۲۳ پر لکھتے ہیں، نبی صاحب نبوت کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں غیب کی خبر دینا، اس کے بعد حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں پس نبی کے معنی ہوئے غیب کی خبر دینے والا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آیات کی بحث

مذکورہ بالا اصول کو مدنظر رکھ کر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے بھی ان آیتوں

اب تعریف ملاحظہ ہو، تفسیر کبیر میں ہے قول جمہور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسة اور بیضاوی میں ہے الخفی الذی لا یقضیه بداهة العقل، فاضل رحمانی کی اتنی عبارت جو دیکھے گا اس سے یہی مطلب نکالے گا کہ نبی غیب کی خبر دینے والا اور غیب کا عالم ہے نیز یہ بھی کہ غیب اسی کو کہتے ہیں جو حاسہ سے غائب ہو اور جس کو بداہۃ عقل نہ جان پائے۔

یہاں تک بات صحیح کی لیکن اس کے فوراً ہی بعد بے ایمانی کی رگ جو پھڑکی تو اپنی طرف سے ایسا اضافہ کیا جو ان کی نقل کردہ تصریحات کے خلاف ہے، فرماتے ہیں ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں'' اس عبارت میں اور اس سے پہلی عبارت اور حوالوں میں صاف تعارض موجود ہے کہ پہلی عبارت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی غیب کی خبر دیتا ہے اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کو جو چیز بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہے پھر نبی غیب کی خبر کیسے دے گا، نیز اوپر کے حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیب ہر وہ چیز ہے جو عالم سے غائب ہو۔ اور بداہۃ عقل جس کو نہ معلوم کر سکے، اور عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز اگر چہ عقل سے نہ معلوم ہو اور اگر چہ غائب عن الحاسۃ ہو بالفاظ دیگر بھلے ہی غیب کی تعریف اس پر صادق آتی ہو، لیکن جہاں خدا نے بذریعہ وحی اس کی تعلیم دی وہ غیب نہیں رہی، اب اس کا فیصلہ ہم علامہ رحمانی ہی پر چھوڑتے ہیں کہ امام رازی اور بیضاوی کی تعریف صحیح ہے یا آپ کی؟ آپ نے اپنی متاخر الذکر عبارت کے ثبوت میں قرآن کی آیت سے بھی کھیلنے کی جرأت کی ہے اور عالم بے خبری میں اس تعارض کو اور سنگین بنا دیا، فرماتے ہیں عالم الغیب فلایظھر علیٰ غیبه احدا الامن ارتضیٰ من رسول خدا معلوم اس آیت سے اس امر پر کس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جو بتانے سے معلوم ہو۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

میں جہاں بظاہر علم غیب کی نفی نکلتی ہے، مذکورہ بالا تطبیق اور بعض دیگر تاویلات جو

وہ غیب نہیں بلکہ اس سے تو یہی واضح ہے کہ خدا اپنے ہی غیب پر انبیاء کو مطلع کرتا ہے۔ تفسیر بیضاوی سورۃ الجن میں ہے فلا یظھر علی الغیب المخصوص به علیه الامن ارتضیٰ بعلم بعضه حتی یکون له معجزة ۔ خدا اپنے مخصوص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مخصوص رسولوں کے سوا کہ بطور معجزہ ان کو بعض کی اطلاع دیتا ہے اور اگر بالفرض فاضل رحمانی کا یہ استدلال مان بھی لیا جائے تو ان کو ان دو باتوں میں سے ایک کو صحیح ماننا ہوگا، اور دوسری کو غلط یا تو یہ کہیں کہ نبی غیب کی خبر نہیں دیتا یا یہ کہیں کہ جو بتانے سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی غیب ہے اور یہ دونوں ان کے لیے زہر ہے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را

پھر اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے جمہور کی زبانی تعریف نقل کر کے اس کے برخلاف ایک اور تفسیر آپ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں الغیب مالم یقم علیه دلیل ولا اطلع علیه مخلوق، غیب وہ جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو، اور جس کو کوئی مخلوق نہ جانتا ہو، ان دونوں تعریفوں میں جو تعارض ہے وہ بھی فاضل رحمانی کی جان کو رو رہا ہے، عجیب مذاق ہے۔

تعارض کے پیچھے تناقض کا شور
تناقض کی دم میں تعارض کی ڈور

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں مالا دلیل علیه اور ما دلیل علیه، چنانچہ فاضل رحمانی نے تفسیر کبیر سے غیب کی جو تعریف نقل کی ہے اس کے آگے ہی یہ ٹکڑا تھا ثم ھذا الغیب ینقسم الی ما علیه دلیل و الی مادلیل علیه یعنی غیب کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بتائی جائیں اور ایک وہ جو خدا کسی کو نہیں بتاتا لیکن چونکہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جو غیب بتانے سے معلوم ہو وہ بھی

علمائے تفسیر نے بیان کی تھیں، ''خیر الانبیاء'' میں تحریر فرمایا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ
ان تمام آیتوں میں جہاں علم کی غیر خدا سے نفی ہے۔ ''ذاتی علم''
مراد ہے، اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں حضور نے تو اضعاً اپنے سے علم غیب
کی نفی کی ہے، اور کچھ مقامات سے عدم علم کا ثبوت ہوتا ہی نہیں، بلکہ عدم دعویٰ اور
عدم قول اور نہ تو عدم دعوی مفید عدم علم ہے، نہ عدم قول اور ساتھ ہی ان کتابوں
کے حوالے بھی دے دیئے تھے، جہاں سے ان کو نقل کیا تھا، اگر ان تاویلات میں
کوئی سقم تھا تو ان مفسرین کی بھی کوتاہی تھی لیکن فاضل رحمانی نے اپنی جہالت کے
زعم میں لایعنی اعتراض سے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، ہم ذیل میں فاضل
مذکور کے اعتراضات اور ان کے جوابات نیز جہاں سے یہ تاویلات نقل کی گئی
تھیں، ان کے حوالے لکھتے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہمارے مخالف نے اپنی
جہالت سے تفسیروں کا بھی مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔

ذاتی اور عطائی: فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق پر یہ اعتراض

(بقیہ) غیب ہی ہے اس لیے خیر الانبیاء میں پوری عبارت ہونے کے باوجود اس کو ایسا ہضم
کر گئے کہ ہفتوں کے بھوکے ہوں۔ لیکن یہ نگلی ہوئی ہڈی آنت میں پھنس گئی، اور باہم دو تعریفوں
میں تعارض ہو گیا۔ حالانکہ اگر تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ دوسری
عبارت اس غیب کی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس غیب کی نہیں
جس پر دلیل ہو جو انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیب کی ایک قسم وہ بھی ہے
جو بتانے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ہوائی قطعاً جھوٹ ہے ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب
نہیں''۔ وہابیہ خذلہم اللہ جب تمام حربوں سے عاجز آجاتے ہیں تو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہہ
دیتے ہیں، ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں''۔

ہے کہ تفریق بے معنی ہے کیونکہ آیت لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من
الخیر و ما مسنی السوء کے معنی اس تقدیر پر یہ ہوں گے اگر میں علم غیب ذاتی
جانتا تو بھلائی جمع کرتا، اور مجھ کو برائی نہ پہنچتی، حالانکہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر
کے لیے مطلقاً علم کی ضرورت ہے، علم ذاتی اور عطائی کو اس میں کچھ دخل نہیں،
کیونکہ جس طرح ایک شخص بوعلی سینا کی کتاب کا ذاتی علم رکھ کر مرض کو دفع کر سکتا
ہے اسی طرح عطائی رکھنے والا بھی، اس سے معلوم ہوا کہ ذاتی اور عطائی کی تفریق
بے کار ہے۔

ایں گل دیگر شگفت: یہ بحث فاضل رحمانی کی بے نور آنکھوں کو کچھ ایسی
بھائی کہ اپنی کتاب میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے، اور ایک جگہ تو ترنگ میں آ کر
فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم پوجا بھی کرو اور کہہ دو کہ حضور الٰہ اور معبود بالعطاء اور
ان کی خدائی عطائی ہے۔ اب تک تو یہ سنا تھا کہ وہابیوں کا خدا جھوٹ ہی بول سکتا
ہے، لیکن آج سے معلوم ہوا کہ ان کا خدا اپنی خدائی بھی دوسروں کو دے سکتا ہے۔
سبحان اللہ یہ علم اور تحقیق مسائل کا حوصلہ، آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ معبود بالعطاء
ممکن ہو گا، اور جو ممکن ہے وہ معبود نہیں، یا بالفاظ دیگر خدا کا اپنی خدائی دوسروں کو
دینا محال ہے، وہ اپنی خدائی کسی کو دے ہی نہیں سکتا، اس لیے بالذات اور بالعطاء
کی بحث وہاں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ بندہ پرور کچھ دن اور پڑھیے۔

بہر حال فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق سے انکار ہے، برخلاف
اس کے علامہ ''خفاجی'' شرح شفاء میں، علامہ مناوی شرح جامع صغیر میں، ''شیخ
ابن قاضی'' جامع الفصول میں، علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں، شیخ محمد شنوانی حاشیہ
مختصر ابن جمرہ میں، امام رازی اپنی تفسیر میں اور علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں
تصریح کرتے ہیں کہ۔

فیہ دلالۃ علیٰ ان الغیب باستقلال لا یعلمہ الا اللہ ۔ (والفظ نیشاپوری)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیب کا علم ذاتی سوائے خدا کے نہیں۔

لیکن فاضل رحمانی کو ان تفسیروں اور اقوال کی کیا پرواہ، ان کو تو اپنی ابن سینا والی اچھوتی دلیل اور مثال پر ناز ہے، اس لیے ہم اس کی بھی خبر لیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کے دماغ میں گودا ہی نہیں یا دانستہ عقل وہاں کوچ کر جاتی ہے، جہاں ان کی طرف پانی مرتا ہے، کیونکہ خود انھیں کے قول کے مطابق ابن سینا کی کتاب سے فائدہ حاصل کرنا اور مرض سے بچنا، اگر ان کے علم ذاتی پر موقوف نہیں تو کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کا علم غیب ذاتی پر موقوف نہ ہونا کہاں سے نکل آیا، کیونکہ خود انھیں کا قول ہے۔ الجزئی لا یکون کا سبا و لا مکتسبا نیز یہ شاہکار جہالت بھی قابل ملاحظہ ہے، کہ مرض کے علم اور ابن سینا کی کتاب کے پیدائشی علم کو علم ذاتی بنا ڈالا، حالانکہ کسی مخلوق کو کسی بھی چیز کا علم ذاتی نہیں ہوسکتا، اور ان کی اس کی تقریر پر تو تمام الہامات علم ذاتی ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا　　　کار طفلاں خراب خواہد شد

آیت میں علم ذاتی ہی مراد ہے: حقیقت یہ ہے کہ اگر ذرا بھی دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کا لزوم علم ذاتی کے ساتھ ہی ہے علم عطائی کے ساتھ ہرگز نہیں، کیونکہ علم عطائی تو ایسا ہے کہ کہیں اس کے مقتضا پر عمل ہوتا ہے اور کہیں نہیں، لیکن علم ذاتی ہی وہ شے ہے جس کے مقتضیٰ ہی پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے، بندوں کے تمام علوم عطائی ہیں، ایک شخص کے راستہ میں سانپ تھا، اس کو علم نہ تھا، کسی نے بتایا وہ یہاں بچ گیا۔ یہاں علم

عطائی کے مقتضیٰ پر عمل ہوا۔ دوسرے شخص کو جلاد باندھ کر بادشاہ کے حکم سے قتل گاہ کی طرف لے چلا باوجودیکہ اس کو اپنے قتل ہونے کا علم وقوعہ سے پہلے ہی ہے اور بسا اوقات مہینوں پہلے بھی اس کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس علم کی بناء پر قتل ہونے سے نہیں بچ سکتا، یہاں علم عطائی کے مقتضیٰ پر عمل نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے ذاتی علم ہر شئے کا صرف خدا کو ہے، اس لیے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی امر میں (معاذ اللہ) خدا کو ضرر پہنچا، یا اس کا کوئی کام خیر سے خالی ہوا بنا بریں یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر علم ذاتی ہی کو لازم ہے، اس لیے آیت میں علم ذاتی کی ہی نفی ہے۔ ورنہ ''لو'' کی شرط و جزا میں لزوم باقی نہ رہے گا، جو ضروری ہے۔

اعجاز و بلاغت اور ذاتی و عطائی: فاضل رحمانی کی یہ جہالت بھی خوب رہی کہ آیت میں علم ذاتی مراد لینے سے قرآن کے اعجاز و بلاغت میں فرق پڑ جائے گا، کیونکہ خازن میں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے آپ سے کہا الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص من قبل ان یغلو و بالارض التی ترید ان تجدب فترحل الی ماقد اخصب (یعنی آپ کا پروردگار کیوں آپ کو چیزوں کا بھاؤ بڑھنے سے پہلے اور خشکی آنے سے پہلے اطلاع نہیں دیتا کہ آپ وہاں سے کوچ کر جائیں) اس کے جواب میں یہ فرمانا کہ میں غیب ذاتی نہیں جانتا نہایت مہمل ہے کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے بارے میں تھا ہی نہیں وہ تو مطلقاً علم سے سوال کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم فاضل جھنڈے نگری سے پوچھ پوچھ کر نازل ہوتا تھا، کہ دیکھئے آپ کے خود ساختہ معیار بلاغت پر پورا اترتا ہے یا نہیں اولاً فاضل رحمانی کی اس تقریر کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یقینی طور پر یہ ثابت ہو

جائے کہ اس آیت کی شان نزول کافروں کا مذکورہ بالا سوال ہے حالانکہ فاضل رحمانی نے مذکورہ شان نزول کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کر دیں ہماری توجیہ پر اعجاز بلاغت کی حیثیت سے اعتراض بالکل بے معنی اور انتہائی جہالت ہوگا۔

چاہ کن را چاہ در پیش: اور اگر ہم اس شان نزول کو جوں کا توں تسلیم بھی کر لیں تو فاضل رحمانی کی الٹی آنتیں گلے آجائیں گی، اور جان بچانا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ سوال کے الفاظ یہ ہیں، الا یخبرک ربک اے رسول آپ کو آپ کا رب کیوں نہیں بتاتا، جواب یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا، ظاہر ہے کہ اس سوال و جواب میں کوئی مطابقت نہیں، اس طرح جو دلدل آپ نے ہمارے لیے تیار کیا تھا خود ہی اس میں کمر تک پھنس گئے۔

ثبوت بلاغت: اور اگر آپ کو بلاغت ہی کا شوق ہے تو سنئے، کفار نے حضور کی غیب دانی پر طنز کیا کہ اگر آپ غیب جانتے ہیں تو اتنی بات خدا سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ کب بھاؤ سستا ہوگا اور کب مہنگا، کہاں فراخ سالی ہوگی اور کہاں قحط پڑے گا، تاکہ تم اوروں کی طرح ان حادثات کے وقت مصیبت میں نہ رہو، تمھارے غیب جاننے کا کیا فائدہ، تم جو عالم ہو اور ہم جاہل ہیں، دونوں نفع ونقصان میں بسا اوقات برابر ہوتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیب جانتے ہی نہیں، خواہ مخواہ آسمانی خبروں کا دعویٰ کرتے ہیں، کفار کا حضور کے علم پر یہ اعتراض اسی قسم کا ہے جیسا آج کل کے وہابی کرتے ہیں، کہ اگر حضور عالم غیب تھے تو وہ فلاں مصیبت سے کیوں نہیں بچے، اس پر حضور نے قرآن کے الفاظ میں جواب دیا کہ یہ ملازمہ تو صرف علم ذاتی کو حاصل ہے کہ کبھی کسب خیر اور عدم مسیس ضرر سے جدا نہیں ہوتا، اور میں علم ذاتی کا مدعی نہیں، میں تو علم عطائی کا دعویٰ کرتا

ہوں، جو قضاؤ قدر کے تابع ہے، اس لیے تمھارا میرے علم پر اعتراض بے جا ہے، ہاں اگر یہ خبریں ذاتی طور پر جانتا تو البتہ بھلائی جمع کر لیتا، اور ہر ضرر سے بچتا۔

ایک اور سوال کا جواب: یوں ہی قیامت کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ قتادہ کے قول کی بنا پر قریش اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قیامت کا وقت پوچھنا چاہتے تھے، حضور نے جواب دیا کہ اس کا علم ذاتی تو خدا ہی کے پاس ہے، جو اس میں تصرف کر سکتا ہے کہ بتلا دے، ہم زیادہ سے زیادہ اس کے امین اور تابع فرمان ہیں، اور جب حضور نے علم ذاتی کو خدا کی طرف منسوب فرمایا تو گویا آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ جانتے ہوئے بھی تم کو قیامت کی خبر نہیں دے سکتا، کیونکہ صاحب علم عطائی بغیر عطا کنندہ کے حکم کے اوروں کو نہیں بتایا کرتا۔ پس یہیں سے یہ سوال بھی ختم ہو گیا کہ جب کفار کے جواب میں حضور نے یہ کہا کہ مجھ کو ذاتی علم نہیں تو کفار پلٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم کو ذاتی عطائی سے بحث نہیں ہم کو تو قیامت کا علم چاہیے، کیونکہ علم ذاتی کا انکار ہی تعلیم سے معذوری ظاہر کرنا ہے۔

دوسرا جواب: اور بالفرض مان لیں کہ جواب سوال میں مطابقت نہیں لیکن اس سے کلام الٰہی کی بلاغت میں فرق نہ سمجھے گا، مگر وہ جس کی آنکھ پر وہابیت کا دبیز پردہ پڑ گیا ہو، کیونکہ علم بلاغت کی پہلی درسی کتاب تلخیص المفتاح اور اس کی شرح مختصر المعانی میں ہے۔

تلقی السائل بغیر ما یطلب بتنزیل سواله منزلة غیره ای غیر ذلک السوال تنبیها للسائل علیٰ انه ای ذلک الغیر اولیٰ بحاله او المهم کقوله تعالیٰ یسلونک عن الاهلة الخ۔

اور سائل کو اس کے سوال کے خلاف جواب دینا اس کے سوال کو دوسری چیز کے قائم مقام کرتے ہوئے، سائل کو تنبیہ کرنے کے لیے، کہ وہ غیر ہی اس کے

لائق ہے، یا اہم، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چاند کی حقیقت پوچھنے والوں کے جواب میں اس کے فوائد گنائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کبھی سوال کے خلاف جواب دے دیا جاتا ہے جو سائل کے مناسب اور اہم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ قرآن نے علم ذاتی کی نفی ہی یہاں اہم اور سائل کے مناسب حال قرار دی ہو، کیونکہ کفار، کاہنوں وغیرہ کے لیے علم ذاتی ہی کے قائل تھے، بہرحال علم ذاتی کی نفی ماننے پر بھی بلاغت قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تواضع کا مطلب: مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی اس تاویل کا جواب دیتے ہوئے کہ بعض آیتوں میں تواضعاً علم کی نفی کی گئی ہے، فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ۔

(۱) ایت قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب کے تحت علامہ خازن نے یہ لکھا ہے ان چیزوں کی نفی حضور نے اپنی ذات سے تواضعاً کی ہے، جیسا کہ خیر الانبیاء میں تحریر ہے، اگر حضور سے علم کی نفی تواضعاً کا یہ مطلب ہو کہ عالم تو تھے مگر از راہ تواضع اپنی ذات سے علم کو دور فرمایا، تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتہ ہونے کی نفی بھی حضور نے تواضعاً ہی کر دی ہو، اور حقیقت میں آپ فرشتہ ہوں، حالانکہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

(۲) نیز یہ جواب کفار کے چیلنج کے مقابلہ میں ہے۔ پس یہ بات قطعاً سمجھ میں آنے والی نہیں ہم تو بار بار آپ کی غیرت اور علم کو چیلنج کریں اور آپ انکساری اور تواضع سے ہماری بات کا جواب نہ دیں، بلکہ اپنے عجز کا اعتراف کریں، یہی موقع تو اسلام کی شوکت ظاہر کرنے کا تھا۔

یہ بحث بڑی طویل ہے کہ اگر کسی آیت کی مختلف ٹکڑوں کی اگر کوئی عام تاویل

کی جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر ٹکڑے میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی ضروری ہے یا نہیں اور علامہ خازن نے آیت لا اعلم الغیب میں اگر غیب وغیرہ کی نفی تواضعاً کی، اور اس تواضع کا مطلب غیب میں یہ لینے پر کہ علم تھا مگر نفی کی، دیگر ٹکڑوں میں بھی یہی لینا پڑے گا یا نہیں؟ اس لیے طویل راستے سے قطع نظر کر کے علامہ خازن کی عبارت سے یہ بصراحت ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے علم غیب کی تواضعاً نفی کے بھی یہی معنی لیے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا، لیکن تواضعاً نفی کی۔

آیت ''ولو کنت اعلم الغیب'' کے ماتحت بیان فرماتے ہیں۔

فان قلت قد اخبر صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن المغیبات و قدجاء احادیث بذلک وھو من اعظم معجزاتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکیف الجمع بینہ و بین قولہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر، قلت یحتمل ان یکون قال ذلک علیٰ سبیل التواضع والادب۔

اگر تم اعتراض کرو کہ حضور نے غیب کی خبر دی، پھر اس آیت اور ان احادیث میں جس میں اخبار بالغیب ہے تطبیق کیسے ممکن ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور نے ادباً اور تواضعاً کہا ہو۔

یہاں اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ حضور غیب جانتے ہیں پھر کیوں قرآن نے آپ سے غیب کی نفی کی، اور یہ اعتراض اس بات کو مان کر کیا گیا ہے کہ حضور کو علم غیب تھا، اور علامہ نے اس اصل کو تسلیم کر کے ہی جواب دیا ہے، اس لیے تواضعاً نفی علم کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ علم غیب جانتے ہوئے ہی نفی کی ہے، اب فاضل رحمانی کو اختیار ہے کہ اس تصریح کے بعد بھی انکار ہی کرتے چلے جائیں، یا کچھ بھی شرم وحیا کا لحاظ کریں، اور اعتراف کریں کہ تواضعاً علم کی نفی کا

مطلب علامہ خازن کے نزدیک انکار بر بنائے علم ہی ہے۔

نامعقول اپج: یونہی چیلنج کے موقع پر تواضعاً علم سے انکار کو بھی نازیبا کہہ کر انکار کرنا فاضل رحمانی کی نامعقول اپج ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب چیلنج کیا جائے، اس وقت بہر نوع جواب دینا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود جواب نہ دیا تو نازیبا ہے، لیکن اس اندھے کو یہ نہ معلوم ہوا کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کیونکہ خود اسی فاضل کے قول کے مطابق کفار نے حضور سے یہ سوال کیا الایخبرک ربک یہ سوال حضور کے واسطے سے خدا سے ہی تھا کہ تمھارا رب تم کو آئندہ باتوں کی اطلاع کیوں نہیں دیتا۔ کم از کم خدا کے بارے میں یہ تو سبھی مانتے ہیں کہ خدا حضور کو آئندہ کی خبروں کے بتانے پر قادر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کفار کے اس چیلنج کے جواب میں خدا بھی وہی نازیبا (معاذ اللہ) بات کرتا ہے کہ چیلنج کے موقع پر قدرت کے باوجود حضور کو آئندہ کی خبروں کا علم نہیں دیتا، بلکہ اور اس بات کا اعتراف کرواتا ہے کہ ہم کو علم نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جاہلانہ اور دماغی عیاشیاں ہیں، اور ہر معقول بات کے جواب میں فاضل رحمانی کی طرح نامعقول باتیں کہی جا سکتی ہیں، نامعقولیت کا دروازہ تو کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا۔

عدم دعوی اور عدم قول: مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی اس تاویل (کہ آیت لا اقول لکم میں قول اور دعوی کی نفی کی گئی ہے نہ علم کی) پر فاضل رحمانی کی خامہ فرسائی کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حضور کہتے ہیں نہ تو میں کسی غیب دانی کا قول کرتا ہوں، نہ خزائن اللہ کے مالک ہونے کا''۔ پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ایسا قول نہ کریں۔

یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ عدم دعویٰ، عدم علم اور وجود علم دونوں ہی

شکلوں میں ہو سکتا ہے، لیکن اگر صرف یہی آیت ہوتی تو عدم دعویٰ بر بنائے عدم علم مان کر ہم فاضل رحمانی کی یہ بزرگانہ نصیحت تسلیم کر لیتے، کہ ہم بھی آپ کے لیے علم غیب کا دعویٰ نہ کریں اور جب اس کے مقابلہ وما ھو علی الغیب بضنین، نزلنا علیک تبیانا لکل شی بھی موجود ہے، اور جب قرآن بار بار آپ کو صاحب علم غیب کہتا ہے تو پھر اس کے علاوہ اور چارہ کار کیا رہ جاتا ہے عدم دعویٰ بر بنائے انکسار ہے، مگر فاضل رحمانی تو اس قدر عقل سے اندھے ہیں اور ان کا یہ اندھا پن اتنا کارآمد ہے کہ جہاں ان پر زد پڑی، آنکھیں چوپٹ ہو گئیں، اور جہاں کوئی مفید بات نظر آئی تو آسمان تک نظر آنے لگا، ورنہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ علم غیب کا ثبوت جن آیتوں سے ہوتا ہے یہ آیات بظاہر اس کے خلاف ہیں، اور اس ظاہری تعارض کو دفع کرنے کے لیے علماء نے مختلف تاویلیں کی ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے، اس آیت میں عدم دعویٰ اور دوسرے میں ثبوت اور عدم دعویٰ ثبوت کے منافی نہیں ہے یہ کوئی الگ مستقل دلیل نہیں کہ اس میں احتمال پیدا کر دینے سے ہمارا استدلال ہی ختم ہو جائے استدلال تو آیات مثبتہ سے ہے،

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا: فاضل رحمانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آیت لا اعلم الغیب دعویٰ علم غیب کے معارضہ کے طور پر پیش کی گئی تھی، تردید ص ۶۱ اور ص ۷ میں اقرار کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ''حضور سے جس علم کی نفی ہے، وہ رفع ایجاب کلی یعنی ایسا علم ہے کہ اس سے غیب کا کوئی فرد خارج نہ ہو۔ اور جن آیتوں میں ثبوت علم ہے وہاں بعض مراد ہے، اور کل کی نفی بعض کے ایجاب کے منافی نہیں، اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں''۔

فاضل رحمانی کے مذکورہ بالا دونوں اعتراضوں سے دو باتیں واضح ہوئیں،

علمائے اہل سنت کے دعویٰ علم غیب کے مقابلہ میں آیت لا اعلم الغیب پیش کی گئی ہے، اوراس آیت میں بعض علم کی نہیں ہے بلکہ کل علم کی نفی ہے اگر بعض علم کا ثبوت کہا جائے تو آیت سے استدلال عدم علم پر غلط ہوگا، اورگزشتہ صفحات میں ہم یہ واضح کرآئے ہیں کہ علمائے اہل سنت بعض علم غیب کے ثبوت کے ہی قائل ہیں ہاں وہ بعض اتنا وسیع ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اختتام دنیا تک اس میں آجائے، لیکن ہے تو بعض ہی، پھر فاضل رحمانی یہ اقرار کرتے ہوئے بھی (کہ آیت سے بعض علم کی نفی پر استدلال نہیں ہوسکتا) کیوں استدلال کرتے ہیں۔

عندہ مفاتیح الغیب: فاضل رحمانی نے اس آیت کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں، اورصحیح بخاری سے اس کی تفسیر بھی نقل کرتے ہیں۔

''مفاتیح الغیب پانچ چیزیں ہیں، جن کا علم سوائے خدا کے کسی کونہیں، کل کا علم، جورحم میں ہواس کا علم، بارش کا علم، موت کا علم، قیامت کا علم، یہ تفسیر راجح ہے، یہ حضور سے مروی ہے، خازن نے سب سے پہلے لکھا ہے۔(ملخصاً)

وہ جوکسی نے کہا ہے ''دیوانہ بکارخویش ہوشیار'' اس کے پورے مصداق رحمانی میاں ہی ہیں، دیکھئے مطلب کی بات کے لیے تو آیت کی تفسیر بخاری سے تلاش کی اور جہاں اپنے خلاف دیکھا، اندھے بن گئے، اوراس حدیث کی شروح سے آنکھ بچالی، ورنہ وہ دیکھتے کہ اس حدیث کی شرح میں علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس ایشاں رانہ داند۔(اشعۃ اللمعات ص۴۲)

مطلب یہ ہے کہ بے تعلیم الٰہی عقل کے حساب سے کوئی اس کونہیں جانتا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان چیزوں کی نفی علم ذاتی کے طور پر ہے نیز

علامہ ملاعلی قاری مرقات میں، امام قرطبی شرح صحیح مسلم میں، علامہ عینی، اورامام احمد قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

لا مطمع لاحد فی علم هذا لاشياء بهذا الحديث فمن ادعى شي منها غير مستندا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعواه كاذب۔

کسی ایک کوبھی ان چیزوں کے علم کی طمع نہ ہو، جس کسی نے ان میں سے کسی کے علم کا دعویٰ بغیر حضور کی طرف نسبت کئے کیا، اس کا دعویٰ باطل ہے۔

کیا بتایا جائے۔

پڑھا علم دیں دین داری نہ آئی
بخار آیا ان کو بخاری نہ آئی

دیکھئے یہاں یہ جلیل القدر علماء رسول کریم ﷺ کے علاوہ دیگر آدمیوں کو بھی ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس علم کی نسبت حضور کی طرف کرلو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا۔ دیکھئے آپ کی مستند تفسیروں سے ان پانچوں کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہو گیا، آپ تو فورتعجب سے پاگل ہورہے ہوں گے۔ مگر کیا کیجئے گا، صبر کیجئے۔

دکھلائے جوفلک سووہ ناچار دیکھنا

لاتدری ما احدثوا بعدک: فاضل جھنڈے نگری کا خیال ہے کہ بعض مکنونات کوحضورنہیں جانتے جب ہی تو قیامت میں بعض امتیوں کے متعلق حضور سے کہا جائے گا، لاتدری ما احدثوابعدک آپ کے بعدان لوگوں نے کیا کیا، آپ نہیں جانتے۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اس فاضل کی جہالت پر روشنی ڈالی تھی کہ

"حضور خود ہی بیان فرما رہے ہیں کہ کل قیامت میں ایسا ہوگا۔ فرشتہ یوں کہیں گے میں یوں کہوں گا، پھر لاعلمی کہاں سے نکلی، وہابت گڑھ سے؟" اس پر بڑا چمک کر فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ واہ جناب! ہمارا استدلال لاتدری سے تھا، گویا حضور ان واقعات کے لاکھ عالم سہی، لیکن ہم تو انکار کئے جائیں گے، کہ لاتدری کا لفظ دیکھ لیا، یہاں ہم کو پھر اس کامیاب کم نگاہی کی داد دینی پڑتی ہے کہ مطلب کی بات کیا سوجھ گئی، کہ لاتدری مگر ہم تو مولانا کے چودہ طبق روشن کرکے چھوڑیں گے۔

یہاں مندرجہ ذیل امور قابل تنقیح ہیں۔

ا۔ حضور کو علم تھا، یا نہیں ۔۲۔ اگر تھا تو لاتدری کیوں کہا گیا۔

حضور کو علم تھا: مسند بزار عن عبداللہ بن مسعود، مسند حایث، امام ترمذی، ابونعیم، امام عبداللہ بن مبارک نے حدیث تخریج کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور پر اعمال امت پیش ہوتے ہیں۔

اعمال امت کی تفصیل: صحیح مسلم، امام احمد، سنن ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، طبرانی نے حدیث تخریج کی جس کا مضمون یہ کہ میری امت کے اعمال اچھے برے سبھی پیش آتے ہیں، یہاں تک تفصیل ہوتی ہے کہ مسجد سے کوڑا صاف کرنا بھی پیش ہوتا ہے۔

مرتد ہونے کا حال بھی دکھایا گیا: صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔

بينما انا نائم فاذا زمرة انا اعرفهم حتى خرج رجل بيني و بينهم فقال هلم قلت اين قال الى النار و اليه قلت ما شانهم قال انهم ارتدوا بعدک علیٰ ادبار هم القهقری۔

اس بیچ میں کہ میں سویا تھا، دیکھا ایک جماعت جن کو میں پہنچانتا تھا، میرے

اور اس جماعت کے درمیان میں ایک آدمی حائل ہوگیا، اور کہا کہ چلو میں نے کہا ان کو کہاں لے جارہے ہو کہا دوزخ میں نے پوچھا کیوں، کہا آپ کے بعد پیچھے پھر گئے مرتد ہوگئے۔

عمدة القاری وفتح الباری وغیرہ میں اس کا مطلب لکھا ہے۔

انه رأى في المنام ما سيقع لهم في الاخرة۔

خواب میں وہ بات دکھائی گئی، جو قیامت میں ہونے والی تھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوکر کل قیامت میں جو لوگ جہنم میں جائیں گے، وہ سب آپ کو دکھا دیئے گئے ہیں، پھر لاتدری کا کیا مطلب؟

لاتدری کا مطلب: یہی حدیث صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مروی ہے۔

اما شعرت، کیا آپ کو پتہ نہیں؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا، نیز بروایت ابوہریرہ **هل تدری ما احدثوا بعدک** جس کا ترجمہ ہوا آپ تو جانتے ہی ہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا، جس طرح **هل اتى على الانسان حين من الدهر** میں، صحیح بخاری میں یہ حدیث بروایت اسماء هل شعرت ہے اور کچھ روایتوں میں لاتدری بھی ہے، فاضل رحمانی کی کج نگاہوں نے صرف لاتدری دیکھا، ورنہ روایت کے دیگر طریقوں کو دیکھتے ہوئے اصول تطبیق پر یہاں بھی ہمزہ استفہام انکاری محذوف ماننا پڑے گا جیسا کہ آیت هذا ربی میں ہے، اور اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے، کہ کیا آپ کو پتہ نہیں یعنی ہے، ورنہ یہ تو آپ کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ بعض حدیثوں سے ثبوت علم ہے اور بعض سے نفی، اس لیے نفی والی حدیث ذہول پر مبنی ہے، تاکہ دونوں میں تطبیق ہوجائے، مگر آپ کو تو اپنے لاتدری کے غمزہ شاہدانہ سے ہی فرصت نہیں ملتی، اور آپ کو کون بتائے کہ۔

ترا کہ گفت کہ اے نازنیں زپردہ برآ
زغمزہ برصف مرداں شیرا فگن زن

واقعات کی بحث

واقعات کی ایک طویل فہرست ہے کہ اگر حضور کو علم تھا تو فلاں واقعہ میں کیونکر ایسا ہونے سے بچانہ لیا۔ ایسا کیوں نہ کیا، اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک بڑی دلچسپ گرفت کی تھی، کہ اگر اسی طرح حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم پر استدلال کیاجا سکتا ہے تو پھر خدائے ذوالجلال کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے کیا معاذ اللہ وہ بھی عالم نہ تھا، آخر اس نے اپنے نبی کی چہیتی بیوی کو ''تہمت افک'' سے کیوں نہ بچالیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہینوں ضیق میں رکھا جب کہ بارہا ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر قرآن فوراً ہی نازل کر دیا کرتا تھا، اس واقعہ میں تاخیر وحی کیوں ہوئی، یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہادت سے کیوں نہ بچالیا، جب کہ ایک مسلمان سردار کا ایسے وقت میں زندہ رہنا بہر حال مفید تھا، معلوم ہوا کہ علم کے مقتضیٰ پر بظاہر عمل نہ کرنا عدم علم کی دلیل نہیں۔

اس معارضے پر آپ سے کچھ بن نہ آئی، تو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کو برا بھلا کہہ کر یہ جواب دیا کہ خدا کی مشیت اور مصلحت ہی ایسی تھی، اور خدا سے اس کی مشیت کے بارے میں سوال نہیں ہوسکتا! کہ ایسا کیوں ہوا جبکہ دوسروں سے سوال ہوسکتا ہے، آیت **لایسئل عما یفعل وھم یسئلون**.

اللہ اللہ یہ منہ اور مسور کی دال قرآن شریف سمجھنے چلے ہیں، مولانا اردو ترجمہ دیکھ لینا اور بات ہے، اور فہم قرآن اور، سوال یہ ہے کہ آیت میں سوال سے کیا مراد ہے، سوال برائے علم یا برائے احتساب، اگر آپ سوال برائے علم مراد لیتے

ہیں، کہ جاننے کے لیے بھی نہیں پوچھ سکتے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا جواز پیدا کرو جوانھوں نے قرآن کے الفاظ میں اپنے رب سے کیا تھا رب **ارنی کیف تحی الموتیٰ** یا حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بات **رب ان ابنی من اھلی** (خدایا میرا لڑکا تو میرے اہل سے تھا) اور تو نے کہا کہ تیری اہل نجات یاب ہوگی۔

اور اگر سوال سے سوال احتساب واعتراض مراد ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ خدا کے افعال کا احتساب نہیں، دوسروں کا ہوگا، لیکن حضور کی شان میں اس آیت کا پڑھنا اولاً تو دائرہ محبت سے خارج، ثانیاً آپ اپنی اوقات تو دیکھئے پھر بعد میں حضور کے اعمال واحوال کا حساب کیجئے گا۔ قبلہ! شرک وبدعت کی مشین چلانا اور ہے، اور قرآن فہمی اور

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی محاسب نہیں، کہ اس کے افعال پر اعتراض کر سکے، اور خدا سب سے حساب لے گا، اس آیت کو اس مبحث سے کیا علاقہ! کیا آپ اس آیت کی ناجائز آڑ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسب بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں، کیوں نہ ہو آپ بھی تو انھیں میں سے ہیں جن کے لیے کہا گیا ہے۔

ذکر رد کے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اصل مسئلہ کی وضاحت: سوچنا چاہیے کہ بقول فاضل رحمانی واقعہ افک شہادت حمزہ، اور اس قسم کے دیگر تمام واقعات میں مشیت ایزدی تو یہی تھی کہ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر دکھ میں رہیں، حضرت حمزہ شہید ہوں، وغیرہ

وغیرہ۔ لیکن یہ عقل کے اندھے چاہتے ہیں کہ حضور خدا کی مشیت کی مخالفت کریں۔ اگر عالم تھے تو بتا دینا چاہیے تھا۔ یہ یاد رکھو کو خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عالم نہیں بنایا کہ وہ رموز الٰہی جان کر اس کی مرضی کے خلاف کریں، نہ کسی وارفتہ دنیا کو حضور سے اس قسم کی توقع رکھنا چاہیے۔

اس لیے ان تمام واقعات وحوادث میں جہاں تمھاری عقل مقتضائے علم پر علم نہ کرنے کی کوئی صحیح توجیہ نہ ڈھونڈھ پائے یہ سمجھ لو کہ خدا کی مرضی یہی تھی، اور جس طرح خدا عالم ہونے کے باوجود اپنی مرضی کے خلاف نہیں کرتا، حضور سے بھی علم کے باوجود امید نہ رکھو، کہ وہ خدا کی مشیت کے خلاف لب بھی ہلائیں گے، جیسے ایک داروغہ بالائی حکم کی وجہ سے مجبور ہے کہ اپنے بھائی کو اس کی گرفتاری کے وارنٹ کی خبر نہ دے، بلکہ خود ہی اسے گرفتار بھی کرے، حالانکہ اس کو اس کی خبر پہلے سے ہے، اور بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کے دل میں بچانے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔

خاتمہ

اس رسالہ میں ہر ممکن اختصار کو مدنظر رکھ کر اصل مسئلہ ''حاضر ناظر'' پر قرار واقعی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا خلاصہ ایک نظر میں یہ ہے کہ حضور کا بیک وقت کئی جگہ ہونا، یا سارے عالم کی خبر رکھنا کسی طرح شرعاً ناممکن نہیں، نہ شرک لازم آتا ہے، کیونکہ ایسا ہی (عطائی) حضور اور قدرت، اگر خدا کے لیے مان لیا جائے تو خدا خدا نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ میں خیر الانبیاء کے دعاوی مجموعی حیثیت سے حق ودرست ہیں اور

مولوی عبدالرؤف یا ان کے ابنائے جنس اس سلسلہ میں جو جو حماقتیں کرتے اور مجنونانہ بڑھ ہانکتے ہیں، ان کا دماغ بفضل ایزدی ہر وقت درست کیا جا سکتا ہے، اور وقت کے سب سے بڑے خبطی الحواس اپنی اکلوتی من بھاتی دلیل، اور بے معنی اڑن کھائیوں کی عبرت ناک خستگی کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں کہ۔

اے رو بہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کر دی و دیدی سزائے خویش

☆☆